وعظ

رُوح العج والثج

(حج وقربانی کی روح)

یہ وعظ حضرت تھانویؒ نے ۸ شوال المکرّم ۱۳۳۳ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں جمعہ کے دن حج وقربانی کی اہمیت پر تین گھنٹے آٹھ منٹ بیٹھ کر ارشاد فرمایا' سامعین کی تعداد تقریباً ۲۰۰ تھی۔ عبدالحلیم صاحب نے اسے قلمبند فرمایا۔

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد ان سیدنا و مولٰنا محمدًا عبدہ ورسولہٗ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وبارك وسلم۔ اما بعد ! فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم :﴿ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا وَّ طَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِنْ ۢ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَھُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ﴾(۱)

''یعنی جبکہ ہم نے ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو وہ تمہارے پاس حج کو چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے دینی اور دنیوی فوائد کے لئے آموجود ہوں اور ایامِ مقررہ میں ان مخصوص چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں سو ان قربانی کے جانوروں میں سے تم کو بھی اجازت ہے کہ

(۱) سورۃ الحج: ۲۶ تا ۲۹۔

کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہئیے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں''۔

تمہید

ان آیات میں حق جل شانہ نے حج اور قربانی کے متعلق مقصوداً اور بعض اقسام انفاقِ مالی (۱) کے متعلق تبعاً مضمون ذکر فرمایا ہے اور ان میں اول حکایت ہے ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے خطاب کی' پھر اس سے انتقال کر کے خطاب ہے (۲) امت محمدیہ ﷺ کو' یہ حاصل ہے ان آیات کا۔

وجہ ان آیات کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ جب جیسا موقع اور جیسی ضرورت دیکھتا ہوں اس کے متعلق کچھ بیان کر دیتا ہوں اور یہ کام تو مصنف کا ہے کہ جو ضرورتیں واقع یا متوقع ہوں سب کے لحاظ سے وہ مضامین کو جمع کر دیں لیکن کسی خطاب کرنے والے کا جس کو واعظ کہتے ہیں منصب صرف اسی قدر ہے کہ وہ جس وقت جو حکم مناسب ہو اس کے متعلق بیان کرے۔ اس لئے میرا معمول ہے کہ بعد رمضان وعید کے حج کے متعلق مضامین کلیہ (۳) ذکر کیا کرتا ہوں۔

اشہرِ حج

اس وجہ سے کہ بعد رمضان شوال کا مہینہ ہے اور یہ اشہرِ حج میں سے ہے جس کو ایک آیت میں حق جل وعلی نے خود ذکر فرمایا ہے: ﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ﴾ (۴) ''حج کا زمانہ چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں'' اور اس کی تفسیر شوال' ذیقعدہ اور ذی الحجہ سے کی گئی ہے تو گویا شوال سے مہینہ حج کا شروع ہوتا ہے نہ اس معنی کر کہ اس ماہ میں حج کر سکتے ہیں بلکہ اس معنی کر کہ بعد شوال کے بلا کراہت حج

(۱) خرچ کرنا (۲) پھر وہاں سے منتقل ہو کر خطاب ہے (۳) اصول (۴) سورۃ البقرہ: ۱۹۷۔

شروع ہوسکتا ہے شروع سے مراد احرام ہے ہر چند کہ شوال سے پہلے بھی احرام صحیح ہے مگر اس میں کراہت ہے اور اگر شوال سے شروع کیا جائے تو بلا کراہت صحیح ہے اور احرام چونکہ شرائطِ حج میں سے ایسا ہے جیسے تکبیر شرائطِ صلوٰۃ میں سے یعنی ایسی شرط جو مشابہ ارکان کے ہے اس معنی کر شوال و ذیقعدہ کو بھی اشہرِ حج میں سے قرار دیا گیا اور ذی الحجہ کا تو اشہرِ حج میں سے ہونا ظاہر ہی ہے اس واسطے کہ بڑے بڑے ارکان حج کے اسی میں واقع ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے میری عادت اس کے متعلق شوال کے شروع میں بیان کرنے کی ہے۔ اب کے بھی اس کے ذکر کرنے کا پہلے سے ارادہ تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی ارادہ تھا کہ ایامِ قربانی میں قربانی کے متعلق کچھ مضامین ذکر کئے جائیں گے اور جس طرح اب کے رمضان میں روزہ، تراویح، اعتکاف، شبِ قدر اور عید کے متعلق خاص طرز پر مضامین بیان کئے گئے کہ اس سے قبل کبھی اس طرز پر بیان نہیں ہوئے تھے، خیال یہ تھا کہ شوال میں حج کے متعلق اور ذی الحجہ میں قربانی کے متعلق اسی طرزِ خاص پر کچھ مضمون بیان کیا جائے تاکہ یہ سب مضامین ایک طرز پر ایک مجموعہ میں شائع ہوجائیں۔

اسی واسطے میں نے اپنے ان دوست کو جنہوں نے اب کے رمضان کے مواعظ ضبط کئے ہیں اس وعظ کے لکھنے کے لئے بھی ٹھہرالیا ہے اور ذی الحجہ میں بھی آنے کو کہہ دیا تھا تاکہ وہ وعظ جو قربانی کے متعلق ہوگا وہ بھی ضبط ہوجائے۔ لیکن اس وقت میرا یہ خیال ہے کہ اس زمانہ تک کیوں انتظار کیا جائے اس زمانہ میں اگر موقع ہوا قربانی کے احکامِ فرعیہ بیان کردیئے جائیں گے باقی بیان مضامین مقصودہ ابھی بیان کردیئے جاویں۔ پس اس پہلے خیال میں اتنی ترمیم ہوگئی۔ اس لئے قصد ہے کہ دونوں کے متعلق اسی وقت بیان کردوں اسی واسطے ایسی آیت اختیار کی کہ جس میں دونوں مذکور ہوں، گو قربانی کی زیادہ خصوصیات ان ایام کے ساتھ نہیں

جیسا کہ حج کی ہیں۔ اسی طرح ان آیات میں بھی مقصود بالذات حج کا ذکر ہے اور قربانی و حج دونوں شریک ہیں۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا جائے۔ پھر اس کے بعد مجھ کو یہ خیال ہوا کہ رمضان کے مواعظ میں روزہ، تراویح، اعتکاف، شب قدر پھر اخیر میں عید کے متعلق مضامین مذکور ہوئے تھے۔ مگر یہ سب عباداتِ بدنیہ کے متعلق تھے۔

اقسامِ عبادت

اور عبادت کی تین قسمیں ہیں: بدنیہ محضہ، مالیہ محضہ، مرکب بدنیہ اور مالیہ سے، اور اس وقت حج و قربانی کے متعلق بیان کروں گا کہ یہ دونوں مرکب ہیں بدنیہ و مالیہ سے، اب ایک قسم رہ گئی وہ کون سی جو مالیہ محضہ ہے مثل زکوٰۃ کے اور اس کے بیان کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ اس لئے مناسب ہوا کہ یہ کیوں رہ جاوے۔ اس کو بھی بمناسبت حیثیت مالیت حج و قربانی کے بیان کر دیا جائے جس کے اندر صدقۂ فطر، زکوٰۃ، خمس عشر (پانچواں حصہ اور دسواں حصہ) وغیرہ سب داخل ہو جائیں اور اسی طرزِ خاص پر اس کا بھی ذکر کیا جائے۔ اس لئے آج اس کو بھی شامل کیا جائے گا۔ اس بناء پر آج کے بیان میں تین قسم کے مضمون مذکور ہوں گے ایک عبادت مالیہ محض اور ایک مرکب بدنی و مالی سے، پھر اس کی دو قسمیں ہوں گی ایک حج دوسری قربانی، کل تین ہو گئے۔ اور عبادات بدنیہ محضہ کے متعلق رمضان میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اس طرح سے سب اقسام بیان ہو جاویں گے۔

حج و قربانی میں مناسبت

حاصل یہ کہ اس وقت حج و قربانی و انفاقِ مالی(۱) کے متعلق بیان ہوگا۔ اسی

(۱) صدقہ خیرات میں روپیہ خرچ کرنا۔

واسطے سوچ کر میں نے ایسی آیت اختیار کی ہے کہ اس میں تیسری قسم بھی تبعًا ذکر ہے غرض تین قسم کی عبادت کے متعلق مضمون مذکور ہوگا۔ حج ' قربانی' انفاق مالی چنانچہ عنقریب معلوم ہوجائے گا۔

بہرحال ایک تو وجہ یہ ہوئی حج وقربانی کے جمع کرنے کی' دوسری مناسبت دونوں کے جمع کی یہ ہے کہ جیسا کہ بعض اعتبارات سے یعنی احرام کے اعتبار سے حج کی ابتداء شوال سے اور معظم ارکان کے وقوع(۱) کے اعتبار سے انتہا ذی الحجہ میں ہے۔ اسی طرح قربانی کے بھی بعض اعتبارات ذی الحج سے پہلے ہوسکتے ہیں چنانچہ تسمینِ ضحایا(۲) مامور بہ ہے جو عادۃً ذی الحجہ کے قبل سے خرید کرنے میں ممکن ہے یعنی قربانی کے جانور پہلے سے خرید کر موٹا تازہ کرنا۔ تو گویا پہلے سے سامان اس کا مطلوب ومندوب(۳) ہے۔ پس قربانی میں بھی تسمین پہلے سے ہوگی جیسا کہ حج میں احرام پہلے سے ہوتا ہے اور بعض حجاج کے اعتبار سے سفر بھی پہلے سے ہوتا ہے۔ خصوصا ہمارے بلاد(۴) میں کہ عموماً شوال میں اور بعضے اخیر درجہ میں ذیقعدہ میں سفر کرتے ہیں اور یہ اتفاق عجیب اور لطیفہ ہے کہ سفر کے اعتبار سے بھی حج شوال ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔ اسی وجہ سے شوال میں اس کا بیان اکثر کیا کرتا ہوں تاکہ جو حج کو جانے والے ہوں تیاری کرلیں۔

اختیارِ اسباب کی فرصت

اور گو امسال محض اس بناء پر بیان کرنا پہلے سے مناسب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ راستہ حج کا بند ہے اگر بند نہیں تو مخدوش ضرور ہے تو ایسی حالت میں پھر ترغیب کی کیا غایت۔ مگر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ جانے والے جارہے ہیں نہ راستہ بند ہے نہ خدشہ ہے' یہ ضرور ہے

(۱) بڑے بڑے ارکان کی ادائیگی کے اعتبار سے (۲) قربانی کے جانور کو کھلا پلا کر موٹا تازہ کرنے کا حکم شریعت میں ہے (۳) مستحب (۴) شہروں میں۔

کہ پہلے سے کچھ تفاوت ہے مگر خدشہ غالب نہیں اور ایسے ضعیف خدشہ کا کیا اعتبار ایسا خدشہ تو گھر سے بازار تک جانے میں بھی ہے کہ شاید کوئی دیوار راستہ میں اوپر گر پڑے۔ غرض خدشہ نہیں بلکہ اطمینان ہے۔ اگر قلب میں قوت اور ہمت ہے دیکھئے حکام نے بھی اجازت دے دی ہے اگر خدشہ قوی ہوتا تو حکام اجازت نہ دیتے باقی خیر خواہی واحتیاط کی وجہ سے یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ہم ذمہ دار نہیں' آگے قلوب مختلف ہیں بعضوں کو یہ خیال ہوا کہ جب حکام ذمہ دار نہیں تو خدا جانے کیا پیش آئے گا۔ لیکن ہمت ہو تو کچھ بھی نہیں' کیونکہ جب ذمہ دار تھے ادھر سے ذمہ داری نہ ہوتی تو کوئی کیا کر سکتا ہے یعنی حکام ذمہ دار ہوئے لیکن خدا ذمہ دار نہیں ہوا اور سمندر میں طوفان آیا اور جہاز غرق ہو گیا تو بتاؤ حکام کی ذمہ داری کیا کر سکتی ہے؟ تو ذمہ دار حکام کا اتنا ہی فرض تھا کہ اصلی واقعہ بیان کر دیں۔ ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہئیے کہ انہوں نے ضعیف اندیشہ کو بھی ہم سے چھپایا نہیں اب تم اپنے قلوب میں ہمت واطمینان پیدا کرو اور قواعدِ شرعیہ سے معلوم کر لو کہ اس وقت جانا کیسا ہے۔ قاعدہ شرعی یہ ہے کہ جب سلامت غالب ہو اور خطرہ ہو تو حج فرض ہے چنانچہ آج کل بھی سلامت غالب ہے اور لوگ برابر جا رہے ہیں۔

اب رہی اس کی تفصیل کہ کہاں ٹکٹ ملے گا؟ کب جہاز چھوٹے گا؟ سو میں نے اس کی کاوش نہیں کی آپ تحقیق کر لیجئے۔ اگر بمبئی میں کسی سے ملاقات ہو تو اس سے دریافت کر لیجئے اور اس سے اعلیٰ درجہ تحقیق کا یہ ہے کہ خود بمبئی جا کر معلوم کر لیجئے تا کہ شک شبہ بھی نہ رہے اور وہ ایسی جگہ بھی نہیں جہاں جانا دشوار ہو کیونکہ یہاں تو آپ کو باسی خبر مل سکتی ہے اور وہاں بالکل تازہ خبریں ملیں گی اور اگر وہاں نہ جا سکیں اور نہ کسی سے جان پہچان ہو تو پھر ایک نیک شخص کا پتہ میں بتلائے دیتا ہوں۔ حاجی احمد جان صاحب سوداگر شاہی بازار سہارنپور یہی پتہ ہے ان سے پوچھ لیں اور میں یہ پتہ اس لئے بتائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کو شوق وہمت ہو تو وہ

متردّد اور پریشان نہ ہو اور ان باتوں کو ان سے معلوم کر کے چل کھڑا ہو۔ لو اب میں نے یہ تدبیر ایسی بتلادی کہ گویا تمام واقعات بتلادیئے۔

یہ تو میں کہتا نہیں کہ ایسا توکل کرو کہ سمندر کی سیدھ باندھ کر چل کھڑے ہو بلکہ اسباب سے کام لو۔ مگر اس میں غلو نہ کرو ورنہ اس طرح تو دنیا کا بھی کوئی کام نہیں چل سکتا کھانا بھی نہیں کھا سکتے کیونکہ ممکن ہے کہ کسی نے زہر ملادیا ہو۔ تو اس قسم کے احتمالات خود ہی مردود(۱) ہیں ہاں جو احتمال ناشی عن الدلیل (دلیل سے پیدا ہو) وہ معتبر ہے لیکن دلیل جلیل ہو ذلیل (۲) نہ ہو کوئی متعدد بہ دلیل ہو تو تو اس پر عمل کرنے میں مضائقہ نہیں۔

بہرحال چونکہ یہ عالمِ اسباب ہے اس لئے اعتدال کے ساتھ اسباب کے اختیار کرنے کا یہی حکم ہے چنانچہ حج کے اندر بھی ارشاد ہے: ﴿وَ تَزَوَّدُوْا﴾ یعنی زادِ راہ بھی لو کہ ضعفاء (۳) کے لئے واجب بھی ہے۔ اس واسطے کہ روپیہ ہوگا تو طمانیت رہے گی ورنہ قلب میں پریشانی ہوگی پھر کیا نشاط (۴) ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا ہے کہ تدابیر سے کام لینا مامور بہ (۵) ہے۔ اسی واسطے میں بتلاتا ہوں کہ اول بمبئی جاؤ اور بمبئی نہ جاسکو وہاں کسی سے خطوط کے ذریعہ سے دریافت کرلو اور اگر کسی سے جان پہچان نہ ہو تو پھر سہارنپور میں حاجی احمد جان صاحب سے دریافت کرلو مگر مہربانی کر کے ٹکٹ جواب کے لئے رکھ دینا گو اگر ٹکٹ نہ بھی ہوگا تب بھی وہ جواب دیں گے مگر یہ واہیات بات ہے کہ اپنی غرض کے لئے خواہ مخواہ ایسی تکلیف دینا جو خود اٹھا سکتے ہو۔ بہرحال یہ تدبیر میں نے بتلادی ہے اور اس سے واقعات جزئیہ سفر کے معلوم ہوسکتے ہیں۔ اب وہ مانع تو رفع (۶) ہوگیا کہ جب حج ممکن ہی نہیں تو اس کے متعلق کچھ بیان کرنا اور ترغیب دینا کیا ضرور؟ جب ثابت ہوگیا کہ ممکن ہے تو مناسب ہوا

(۱) اس قسم کے احتمالات بعیدہ کا کوئی اعتبار نہیں (۲) دلیل بھی مضبوط ہو کمزور نہ ہو (۳) کمزوروں (۴) خوشی (۵) تدبیر اختیار کرنے کا شریعت میں حکم ہے (۶) اب یہ رکاوٹ تو دور ہوگئی۔

کہ اس کے متعلق کچھ بیان کیا جائے تا کہ ہمت ورغبت ہو اور جن کے ذمہ حج فرض ہے وہ چل کھڑے ہوں۔ بہرحال ہمارا ابتدائے سفر شوال سے ہوتا ہے۔

ایک وجہ تشارک (۱) کی یہ بھی ہے کہ قربانی بھی ایامِ حج میں ہوتی ہے تو اس اعتبار سے بھی قربانی و حج ساتھ ساتھ ہیں جیسا کہ قرآن و رمضان کہ دونوں میں ایک خاص مناسبت ہے۔ گو بعض قربانی ان ایام میں واجب ہے اور بعض مستحب، خصوصاً حجاج کے واسطے ان ایامِ حج میں اور حرم میں اس کی اور زیادہ فضیلت ہے غرض چونکہ دونوں میں مناسبتیں متعددہ تھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ ساتھ ساتھ دونوں کو بیان کیا جائے۔

مال و بدن سے مرکب عبادت

اور میں نے جو حج اور قربانی کو مرکب مالی و بدنی سے کہا ہے سو فقہاء نے حج کو تو تصریحًا مرکب ٹھہرایا ہے یعنی حج کے اندر بذل نفس بھی (۲) ہے یعنی سفر کرنا اور ارکان بھی بدن ہی سے ادا ہوتے ہیں تو بدنی ہونا تو ظاہر ہے، رہا مالی ہونا سو مالی اس معنی تو ہے نہیں کہ بدون بذل مال (۳) کے حج ہی نہ ہو سکے کیونکہ ہم ایسا شخص فرض کرتے ہیں جو مکی ہے اور مفلس ہے اس نے قِران وتمتّع ہی اس لئے نہیں کیا کہ وہ حنفی ہے یا ہم اسے شافعی فرض کرتے ہیں کہ اس نے قران وتمتّع بھی کر لیا لیکن اس نے بجائے دم قِران وتمتّع کے تین روزے رکھ لئے یا یہ صورت ہی قِران وتمتّع کی نہ فرض کرو کیونکہ بدل کو مبدل منہ (۴) ہی کا حکم ملتا ہے تو حکماً گویا اس نے بدل مال کر لیا پس فرض کرو کہ اس نے اِفراد ہی کیا اور تمام ارکان پیادہ ہی ادا کئے تو دیکھئے ٹکا بھی نہیں خرچ ہوا اور نہ واجب ہوا اور حج ادا ہو گیا تو حج اس معنی کر تو مالی نہ ہوا کہ بدون مال کے اس کا تحقق ہی نہ ہوا البتہ اس معنی کر مالی ہے کہ غالبًا تلبس مال کا ہوتا

(۱) مشترک ہونے کی (۲) نفس پر مشقت بھی ہوتی ہے (۳) مال خرچ کیے بغیر (۴) بدل کو مبدل منہ کا حکم ملتا ہے اس قاعدے کی رو سے روزے قائم مقام ہو گئے دمِ قرآن وتمتع کے۔

ہے چنانچہ حجاج میں اکثر باہر کے ہوتے ہیں اور ان میں بھی بکثرت سفر کر کے سوار ہوکر زادِراہ لے کر حج کو آتے ہیں تو یا اکثر تلبس اس کا عادۃً وغالبًا ضرور مال کے ساتھ ہوتا ہے گو باہر کے آنے والوں میں بہت سے باہمت مفلس لوگ پیادہ(۱) بھی آتے ہیں مگر بنسبت اہل تمول(۲) کے ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس آیت میں بھی ان تہی دستوں کا مذکور ہے: ﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَأْتُوْكَ رِجَالًا﴾ (الآیۃ) کہ ابراہیمؑ آپ لوگوں کو حج کے لئے ندا کر دیجئے لوگ آپ کے پاس حج کے لئے پیادہ بھی آئیں گے اور اونٹ پر بھی سوار ہوکر آئیں گے۔ گو پیادہ حج کرنے کا حکم تو نہیں مگر یہ خبر بلانکیر ہے اس سے مرضی عندالحق(۳) ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ پیادہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کے پاس زادِراہ ہے۔ دوسرے یہ کہ زادِراہ نہیں احتمالِ ثانی تو باطل ہے کیونکہ شریعت اسے پسند نہیں کرتی کہ زادِراہ ہو اور پھر پیادہ سفر کرے کہ یہ بخل ہے۔ کیونکہ ایسے کنجوس کی مدح کیا ہوگی جو خود بھی نفع نہ اُٹھائے اور دوسروں کو بھی نفع سے باز رکھے کیونکہ سواری میں کچھ خرچ ہوتا تو دوسروں کو بھی کچھ نفع ہوجاتا تو اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ بلا زادِراہ بھی حج کرنا جائز ہے جیسا کہ بلا راحلہ(۴) جائز ہے جس پر ﴿عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ﴾ (دبلی اونٹنیوں پر) دال ہے۔

پیدل حج

اب بعض لوگوں کا ان پر طعن کرنا جنہوں نے جانبازی کی اور غلبۂ شوق میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے کہ یہ ایسے بیہودہ لوگ ہیں جو خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالتے ہیں یہ طعن ناشی(۵) ہے جہل سے۔

صاحبو! معلوم ہوتا ہے تم نے عشاق کو دیکھا ہی نہیں، خود جیسے کم ہمت ہو

(۱) پیدل (۲) مال دار (۳) اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہونا (۴) بغیر سواری کے (۵) یہ طعنہ جہل کی وجہ سے دیا۔

دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو دو چار لُنگاڑے فقیر تم نے دیکھے ہوں گے بس اس سے حکم کلی لگا دیا' کسی عطار ہی پر الٹ پلٹ کے نظر پڑتی رہی اس سے حکیم محمود خاں کے وجود کے منکر ہو گئے' یاد رکھو ہر زمانہ میں اللہ کے بندے ایسے ایسے رہے ہیں جو آپ کی نظر میں مسکین پریشان ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت کسی بزرگ کا الہام ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی

''کہ میرے دوست میرے دامنِ قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا''۔ تو آپ کو کیا خبر ہے۔

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست حال شیرانیکہ شمشیر بلا بر سر خورند

''تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جن کے سروں پر بلا و مصیبت کی تلوار چل رہی ہے''

خاکسارانِ جہاں

تم پر جب وہ کیفیت ہی نہیں تو تم کو کیا معلوم ایسے ایسے لوگ ہیں کہ جن کی ذات کو پہچانتے ہو مگر صفات کو نہیں جانتے جیسے حق تعالیٰ اپنی نسبت فرماتے ہیں: ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾(۱) کہ ہم تو تم سے باعتبار علم کے نہایت قریب ہیں اور تم ہم سے باعتبار معرفت کے نہایت دور۔ اسی طرح اللہ کے بندے ایسے ایسے ہیں کہ ذات کے اعتبار سے تم سے بہت نزدیک ہیں مگر صفات کے اعتبار سے تم ان سے بہت ہی بعید ہو۔(۲)

(۱) سورۃ قٓ:۱۶ (۲) دور ہو۔

ایک صاحب حال بزرگ

ایک شخص بیان کرتے تھے کہ سفر حج میں ایک شخص نہایت آزاد وضع سے تھے اس معنی کر آزاد نہیں کہ شریعت کی وضع سے بھی آزاد تھے بلکہ اس معنی کر آزاد وضع تھے کہ مخدومیت، مولویت اور مشیخت کی شان ان میں نہ تھی ۔

زیر بار اندر درختاں کہ ثمر ہا دارند اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

''یعنی پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا کہ بند غم سے آزاد ہے''

تمام سفر میں ان کی یہ حالت تھی کہ رقص کرتے تھے عشقیہ اشعار پڑھتے تھے ان کو لوگ نقال مسخرہ سمجھتے تھے واقعی بظاہر ان کی وضع بھی ایسی ہی تھی آپ کے پاس ایک دفلی بھی تھی جو ایک طرف سے کھلی ہوئی تھی یونہی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کے گھیرے پر جھلّی منڈھ کر چھوٹے سے دف کی شکل بنالی تھی۔ کبھی کبھی اسے بھی بجایا کرتے تھے غرض لوگ انہیں ان باتوں سے بالکل مسخرہ سمجھتے تھے۔

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

''خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ ممکن ہے کہ ان میں کوئی اہلِ دل صاحبِ حال ہو''

اخیر تک بھی انہوں نے اس وضع کو نہ چھوڑا، اسی حالت میں تھے کہ حرم میں یعنی مسجد حرام میں پہنچ گئے اور اس کو حرم میں نے بالمعنی العرفی کہہ دیا ورنہ یوں تو تمام مکّہ حرم ہے عرف میں البتہ خاص مسجد مسجد بیت اللہ کو حرم کہتے ہیں میں نے بھی اسی اطلاح کے اعتبار سے حرم کہہ دیا، خیر جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے اس کے سیاہ غلاف اور اس کی ایک محبوبانہ شان کو دیکھ کر اور بھی جوش بڑھ گیا۔ مطوف(۱) نے کہا کہ یہی بیت اللہ ہے اب طواف کرو۔ یہ کہنا تھا کہ ان پر ایک

(۱) طواف کرانے والے نے کہا۔

حالت طاری ہوئی اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہوگیا ؎

چو رسی بکوے دلبر بسیار جان مضطر کہ مباد بارِ دیگر نرسی بدیں تمنّا

''کہ اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کر دو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے''

یہ کہہ کر فوراً گرے اور دم نکل گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ کوئی صاحبِ حال تھا مسخرہ نہیں تھا۔ تو یہ ایک واقعہ ظاہر ہوگیا ورنہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے کیسے رتبے کے شخص ہوتے ہیں۔

عاشق اور غیر عاشق کے حج میں فرق

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ عمرہ کے لئے دوڑے دوڑے جاتے تھے خدا جانے کس چیز نے انہیں پریشان کر رکھا تھا اور کیا چیز تھی جو آہستہ بھی نہیں چلنے دیتی تھی۔ انجن میں جتنی آگ زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی تیز چل سکتا ہے۔ ان میں عشق کی آگ تھی جس کو عراقی رحمۃ اللہ کہتے ہیں ؎

صنمارہ قلندر سز وار بمن نمائی کہ درازو دور دیدم رہ و رسم پارسائی

''طریق زہد خشک بہت دور دراز کا راستہ ہے مجھے تو طریقِ عشق میں چلایئے''

اگر یہ محبت نہیں تو ہمارا حج وہی حج ہے نماز وہی نماز ہے جس کو عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ززمیں ندا برآمد کہ مراخراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

''جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے سجدہ ریا کا کر کے مجھ کو بھی خراب کیا''

یہ تو ہماری نماز ہے اور حج کیسا ہے ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند کہ بروں درچہ کردی کہ دروں خانہ آئی

''خانہ کعبہ کے طواف کے لئے گیا تو حرم کا رستہ مجھ کو نہ دیا اور کہا تو نے حرم کے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے''

یہ ہمارا حج ہے اور وہ ہماری نماز' اگر محبت نہیں تو کیا ہے' ہاں یہ ضرور ہے کہ محبت کے لئے جوش ضروری نہیں کہ جس میں جوش نہ پاؤ اس کو محبت سے خالی سمجھو۔ محبت بھی دو قسم کی ہوتی ہے کسی میں ضبط ہوتا ہے اور کسی میں نہیں ہوتا جسے خبط کہنا مناسب ہے۔ مگر اس خبط ہی کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم ست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

''یعنی اگر ہم قلاش و دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ کی بات ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور ان کی محبت کے متوالے ہیں''

اور یوں بھی فرماتے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد مر عسس رادید و در خانہ نشد

''جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح جو شخص کوتوال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے'' اسی طرح جب محبوبِ حقیقی کا عشق غالب ہوتا ہے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے اور یوں بھی فرمایا ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

''عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنالیا''

باز سودائی شدم من اے طبیب باز دیوانہ شدم من اے حبیب

''پھر اے طبیب ہم سودائی ہوئے اے حبیب پھر ہم دیوانہ بنے''

یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزاروں دانشمندیاں (۱) قربان ہیں ؎

رتبہ شہید عشق کا گر جان جایئے قربان ہونے والے کے قربان جایئے

(۱) عقلمندیاں قربان۔

تو میں نے انہیں دوڑتے ہوئے عمرہ کرتے ہوئے دیکھا' مگر یہ پتہ نہ لگا کہ کون تھے' کہاں کے تھے' اور کیا نام تھا اور تھے نہایت حسین اور صرف حسن طبعی ہی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وہ حسن وہ رونق وہ آب وتاب الٰہی بھی تھی۔ وہ وہی تھے جو حدیث میں ہے: (رب اشعث راس مدفوع بالابواب لواقسم علی اللّٰہ لا براہ او کما قال) کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال پریشان ہیں۔ اگر کسی کے دروازہ پر جائیں تو دھکے دے دیئے جائیں' کسی کی سفارش کریں تو کبھی قبول نہ کرے' غرض بالکل لوگوں سے علیحدہ ہیں اور کوئی ان کی وقعت بھی نہیں کرتا مگر اللہ کے نزدیک ان کی اتنی قدر اور اس قدر وقعت ہے کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو خدا انہیں ضرور سچا کردے اور جب خدا کے یہاں ان کی بات مانی جاتی ہے تو مخلوق کیونکر نہ مانے گی۔ اسی کا حاصل عارف شیرازیؒ بیان فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں　　کہ ناز بر فلک و حکم برستارہ کنم

''گدائے میکدہ ہوں مستی کی حالت دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں''

فلک وستارہ پر حکم کیا بعید ہے جب خدا ان کا معروضہ سن لیتا ہے جب خدا ان کا کہنا کردیتا ہے تو اور مخلوقات ان کا کہنا کیوں نہ کریں؟ اطاعت وفرمانبرداری کیوں نہ کریں؟

سمندر وخشکی پر حضرت عمرؓ کی حکومت

حضرت عمرؓ کے وقت میں زلزلہ آیا' آپ نے فرمایا: (اسکنی یا ارض) ''اے زمین ٹھہر جا'' زلزلہ موقوف ہوگیا۔

ایک مرتبہ دریائے نیل خشک ہوگیا پہلے بھی خشک ہوجاتا تھا جب خشک ہوتا تھا ہزاروں روپے خرچ کرکے کسی کی نہایت حسین جمیل لڑکی لباس وزیور سے

آراستہ کی جاتی تھی اور وہ دریا میں ڈال دی جاتی تھی بس پانی ابلنے لگتا تھا وہ لڑکی ہلاک ہوجاتی تھی یہ تصرف شیطانی تھا' خیر جب دریا خشک ہوگیا حضرت عمرؓ کی خلافت اور اس مقام پر عمرو بن عاصؓ کی ولایت کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے عمرو بن عاصؓ سے عرض کیا اور یہی قدیمی (۱) تدبیر بھی بتلائی۔ انہوں نے کہا کہ میں ایسا بھی نہ کروں گا ہاں امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ کو لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ لکھا' آپؓ نے اس کے جواب میں ایک رقعہ دریائے نیل کے نام لکھ کر روانہ کیا کہ ''اے دریائے نیل اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو جاری رہ اور اگر تو خود جاری ہوتا ہے تو ہم کو تیری حاجت نہیں''

جس وقت رقعہ پہنچا ہے تو جاہل لوگ ہنستے تھے کہ عقل گئی ہے نیل کو رقعہ لکھ رہے ہیں۔ خیر وہ رقعہ دریا میں ڈالا گیا رقعہ کا دریا میں پڑنا تھا کہ بس ابلنا شروع ہوگیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب سے پھر کبھی نیل خشک نہیں ہوا۔

تو ع　ناز بر فلک وحکم برستارہ کنم

''یعنی فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتے ہیں'' میں استبعاد (۲) ہی کیا ہے؟

غرض کپڑے میلے بال بکھرے صورت پریشان اللہ کے بندے ایسے ایسے عشاق ہیں ان پر اعتراض کرنا اپنے کو غضب الٰہی کا مستحق بنانا ہے۔

حاجیوں کی اقسام

تو حق تعالیٰ نے ﴿یَاتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ﴾ ''آئیں گے وہ تمہارے پاس پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی'' میں دونوں باتیں یعنی زاد سے بھی خالی ہونا اور راحلہ سے بھی خالی ہونا منطوقا و مفہوما (۳) ذکر فرمائیں ہیں تو

(۱) لوگوں نے عمرو بن عاصؓ سے آکر کہا وہ پرانا طریقہ جو رائج تھا بتایا (۲) تعجب ہی کیا ہے؟ (۳) اللہ نے ایسا کلام ذکر کیا جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پیدل بھی اور سواری پر بھی لوگ حج کے لئے آئیں گے۔

ایسا بھی حج ہوسکتا ہے کہ ایک پیسہ بھی نہ خرچ ہو، تو حج اس معنی کر عبادت مالی نہیں کہ (لایتحقق الا بالمال) ''اس کا تحقق مال ہی سے ہوتا ہے'' مگر اس معنی کر مالی ہے کہ حج کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک مکہ والے دوسرے باہر والے، باہر والے مکہ والوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں پھر باہر کے آنے والوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں زیادہ وہ ہیں جو سوار ہوکر آتے ہیں اور کم وہ ہیں جو پیادہ آتے ہیں پھر سوار ہوکر آنے والوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن کی نظر سواری سے مصلحت ظاہری پر ہوتی ہے دوسرے وہ جو مصلحتِ باطنی کا لحاظ رکھتے ہیں مصلحت ظاہری تو یہی ہے کہ پریشانی نہ ہو مصلحت باطنی وہ ہے جو حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو عاشق احسانی ہیں صفات بحت (۱) کے ساتھ ہمیں محبت کہاں، افسوس انسان کے ساتھ تو ہمیں یوں ہی عشق ہوجاتا ہے اور خدا کے ساتھ ہمیں محض اس کے انعام واحسان کی وجہ سے محبت ہو۔ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو صفات بحت کے عاشق ہیں مگر بہت کم ہیں، زیادہ احسان ہی کی وجہ سے محبت رکھتے ہیں کہ منعم کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے۔ تو اگر حج میں بدون زادِراہ کے گیا اور وہاں ہوئی کلفت تو وہ نام کی محبت بھی زائل ہوجائے گی۔ اس واسطے فرمادیا کہ ﴿تَزَوَّدُوْا﴾ کہ زادِراہ لے کر چلو، تو زیادہ وہ لوگ ہیں جو زادِراہ لے جاتے ہیں اور یہ مطلوب بھی ہے۔ اس معنی کر حج مرکب ہے بدنی اور مالی سے کہ غالب احوال میں مال بھی خرچ ہوتا ہے گو بدون (۲) مال کے بھی ہوجاتا ہے جیسا کہ میں پہلے اس کی ایک صورت فرض (۳) کر چکا ہوں۔ مگر غلبہ کی وجہ سے مرکب کہہ دیا۔

---

(۱) مطلب یہ ہے کہ اللہ سے محبت اس کے احسانات کی وجہ سے ہے صرف محض اس کی صفات کی وجہ سے نہیں
(۲) بغیر مال (۳) مقرر کر کے بتا چکا ہوں۔

کیا قربانی مرکب عبادت ہے؟

پس فقہاء نے حج کے مرکب ہونے کی تو تصریح فرمادی، البتہ قربانی کا مرکب ہونا کسی قول میں نظر سے نہیں گزرا لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بھی مرکب ہے گو اس میں مالیت کی شان غالب ہو مگر جس طرح باوجود غالبیت بدنیت کے من وجہ تلبس بمال(۱) کے سبب حج کو مرکب کہہ دیا اسی طرح یہاں باوجود غالبیت کے من وجہ تلبس بالبدن(۲) کے سبب اس کو بھی مرکب کہنا صحیح ہوسکتا ہے اور اس کا مالی ہونا تو ظاہر ہے مگر بدنی ہونے میں دو حیثیتیں ہیں ایک خفی دوسرے جلی، جلی تو یہ کہ قربانی محض انفاق مال (۳) سے ادا نہیں ہوتی کہ تین روپے یا کم وبیش اللہ واسطے کسی فقیر کو دے دیئے۔ البتہ اگر اتنی تاخیر کردے کہ ایامِ قربانی نکل جائیں تو اس وقت تصدق (۴) ہی متعین ہے، لیکن اول تو اس صورت میں قربانی کی برابر فضیلت نہ ہوگی دوسرے گفتگو اس میں ہے کہ وظیفہ(۵) اصلی کیا ہے؟ سو وظیفہ اصلی قربانی کا تو یہی ہے کہ جانور ذبح کرو اور جانور کے ذبح کرنے میں ظاہر ہے کہ اتعابِ بدن (۶) ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ زکوٰۃ بھی مرکب ہے کیونکہ ہاتھ سے دینا پڑتا ہے اور اس میں بھی کسی قدر تعب ہے ہی، جواب اس کا یہ ہے کہ اگر طبیعت سلیمہ ہے تو سمجھ میں آجاوے گا کہ مال کے خرچ کرنے میں متعدد بہ اتعاب بدنی(۷) نہیں اور قربانی میں بیّن اتعاب(۸) ہے۔ اسی واسطے ہر شخص سے نہیں ہوسکتی اور دینا تو بچہ بھی کرسکتا ہے۔

---

(۱) جیسے حج میں زیادہ تر بدن کو عمل دخل ہے اور تھوڑا سا مال بھی خرچ ہوتا ہے اس وجہ سے اس کو مرکب عبادت بدنی و مالی قرار دیا (۲) اسی طرح قربانی میں غالب مال ہے لیکن جسمانی محنت بھی ہے اس کی وجہ سے اس کی بھی مرکب مالی و بدنی کہنا درست ہے (۳) مال کے خرچ کرنے سے (۴) صدقہ کرنا (۵) اصل عمل کیا ہے (۶) بدن کو مشقت میں ڈالنا (۷) بدنی مشقت نہیں (۸) قربانی میں مشقت ہونا واضح ہے۔

دوسری حیثیت کے لئے جو کہ خفی ہے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے مقدمہ یہ ہے کہ آیا اتعاب بدن من حیث ھو مقصود ہے(۱) یا اس وجہ سے کہ نفس پر محنت ہو، ہر شخص قواعدِ شرعیہ سے جانتا ہے کہ بدن کو ایذاء(۲) نفس(۳) کی وجہ سے ہوتی ہے اگر نفس نہ ہو تو ایذاء بھی نہ ہو۔ باقی یہ شبہ کہ اہل سنت کے نزدیک بعد مفارقت نفس(۴) بھی بدن میں حیات باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حدیث میں مردہ کی ہڈی توڑنے کی ممانعت آئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی کا توڑنا مردہ کو محسوس ہوتا ہے اور اس سے اذیت ہوتی ہے تو بدون تعلق نفس کے بھی بدن کو اذیت ہوئی۔

احترامِ میت

سو اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی قائل ہو تو ہم کہیں گے کہ مفارقت نہیں پائی گئی تعلق نفس باقی ہے اگرچہ تھوڑا ہی سہی اور تحقیق یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں احساس ہے۔ بلکہ احترام میں مردہ زندہ کے مثل ہے زندہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو ہڈی توڑنے سے اس کو ایذاء رسانی دوسرے ترکِ احترام، تو مردہ کی ہڈی توڑنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ترکِ احترام ہے نہ اس وجہ سے کہ اس کو اذیت ہوتی ہے۔

اور فقہاء نے اُسے ایسا سمجھا ہے کہ صوفیا نے بھی نہیں سمجھا۔ اور حق یہ ہے کہ صوفیا نفس کے معالجات اور ان کے نکات خوب بیان کرتے ہیں اور فقہاء اعمال کے اسرار خوب سمجھاتے ہیں فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ زیارت اموات کے وقت قبر

(۱) بدنی مشقت اپنی ذات کے اعتبار سے کیا مقصود ہے؟ (۲) بدن کو تکلیف (۳) روح (۴) روح کے جسم سے نکل جانے کے بعد۔

سے اتنی دور رہنا چاہئیے جس قدر دورِ حیات میں رہتے تھے۔ بعض لوگ ادب کی وجہ سے بہت دور رہتے ہیں سو اتنا دور بھی نہ رہنا چاہئیے پس فقہاء کے معیار سے کام لینا چاہئیے کہ حیات و موت دونوں میں یکساں معاملہ کیا جاوے اور یہ دور رہنا فقط احترام کے سبب سے ہے گو وہ اب مرا ہوا ہے مگر واقع میں ؎

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

''یعنی جس کو عشقِ حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہوگئی وہ اگر مر بھی جائے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ لذت قرب اس کو کامل درجہ کی حاصل ہوجاتی ہے اس لئے اس کو زندہ کہنا چاہئیے''

پس اسی طرح مردہ کی ہڈی توڑنا منع ہے کہ توڑنے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی ہاں احترام کے خلاف ہے۔

تدفین کی خوبی

میں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے اسی قسم کا مسئلہ پوچھا کہ لاش جلانے سے مردہ کو کچھ تکلیف ہوتی ہے' مولانا فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے' فرمایا کہ مردہ کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی تمہیں تمہاری رضائی جلانے میں اور اگر کوئی پرانے گلے سڑے کپڑے کو چیرے پھاڑے تو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہے کہ جب بدن پرانا ہوجاتا ہے' گل سڑ جاتا ہے تو پھر اس کے خاک میں ملنے اور کیڑوں کے کھانے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔

بس اب یہ مسئلہ بالکل صاف اور اچھی طرح حل ہوگیا تو یہ وجہ تھی مردہ کی ہڈی توڑنے اور اس کے بدن جلانے کی ممانعت کی۔

اور یہاں سے اسلام کی خوبی ظاہر ہوتی ہے کہ دفن کا حکم دیا اور جلانے کی

ممانعت کردی کہ دفن میں اکرام اور احراق (۱) میں ترکِ احترام ہے اور اس کے علاوہ دفن میں ارجاع الی الاصل (۲) بھی ہے۔ اور احراق میں اصل سے عدول (۳) ہے۔ بعض مدعین فلسفہ جلانے کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور دفن کی خرابیاں کہ اس سے مٹی خراب ہوجاتی ہے اور اس سے جو بخارات اٹھتے ہیں وہ گندے زہریلے اور متعفّن ہوتے ہیں اس طرح کے نکتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ جلانا اچھا ہے مگر ہم تو اس کے خلاف مشاہدہ کررہے ہیں کہ کسی مدفون کی قبر پر ہمیں بدبو نہیں آتی مگر مرگھٹ پر تو اس قدر متعفّن اور گندی ہوا ہوجاتی ہے کہ ناک نہیں دی جاتی ایسے مہمل نکتے تو ہر چیز میں بیان ہوسکتے ہیں مگر سلامت فطرت حق و باطل کا فیصلہ خود کرلیتی ہے بلکہ عقل تو دفن کو پسند کرتی ہے کہ اس میں بدن کو اس کی اصل میں پہنچادیا باقی خاک کا اصل ہونا (۴) سو اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر عنصر کا اپنی چیز کی طرف طبعی میلان ہے اگر کوئی انسان کو ٹھے پر سے اچھلے اگر وہ اوپر چلا جاتا تو ہوا یا نار غالب ہوتی، اور اب تو خاک غالب ہے یا آب اور آب کا غالب نہ ہونا بھی ظاہر ہے ورنہ آب میں پہنچ کر عمق کی طرف نہ جاتا۔ پس خاک کا غلبہ متعین ہوگیا اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ :(کل شئی یرجع الی اصلہ) ''یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف عود کرتی ہے'' تو خاک میں دفن کرنا بالکل عقل کے موافق اور اس کے ماسوا سب فطرتِ سلیمہ اور عقل کے بالکل خلاف ہے۔

ہندوؤں میں جلانے کی رسم کی ابتدا

باقی احراق کی رسم کیسے نکلی سو ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں پرانی تاریخ میں اوتار اور دیوتاؤں کی معاشرت کا ذکر ہے

(۱) جلانے میں (۲) اصل کی طرف لوٹنا (۳) دوری (۴) مٹی انسان کی اصل ہے اس کی دلیل۔

اور وہ جن تھے سو غالباً ان کے شرائع اور تھے اور انسان کے اور، تو ان کے عنصر غالب یعنی نار کا مقتضائے عقلی (۱) یہ تھا کہ بعد موت ان کے ابدان کو اسی میں ملا دیا جائے چونکہ ان میں آگ غالب تھی اس لئے آگ میں ملا دیئے جاتے تھے۔ یہ قصے ان کی کتابوں میں مذکور ہوں گے جہالت اور نادانی سے خدا بچائے۔ یہ اسے بزرگوں کی سنت سمجھ کر خود بھی یہی کرنے لگے ع چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زوند "یعنی جب حقیقت کا پتہ نہ چلا قصے کہانیوں پر عمل کرنا شروع کر دیا"۔

گو یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں مگر قرائن اسی کے مؤید ہیں۔ یہ جملہ معترضہ میں نے اس پر بیان کیا تھا کہ ہڈی توڑنے اور بدن کے جلانے میں تکلیف ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے وہ شبہ رفع ہو گیا کہ بعد مفارقتِ نفس (۲) کے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور ثابت ہو گیا کہ بعد مفارقت کے تکلیف نہیں ہوتی۔

قبر میں سوال و جواب کی تحقیق

رہا یہ کہ مردہ کو قبر میں بٹھلاتے ہیں اور اس سے پھر وہی شبہ عود کر آیا کہ بعد مفارقت روح کے بھی تألم و تنعم قبر (۳) میں بدن کو ہوتا ہے تو بات یہ ہے کہ وہ روح ہے جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے۔

رہا یہ کہ روح مجرد جلوس کے ساتھ کیسے متصف ہو سکتی ہے سو اول تو ابھی تک یہ امر طے نہیں ہوا کہ روح مجرد ہے یا مادی ہے بعض اہل کشف کا قول ہے کہ مجرد ہے اور بعض متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مادی ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ تجرد خواص واجب سے ہے لیکن یہ دعویٰ خود بے دلیل ہے بلکہ خواص واجب

(۱) ان میں عنصر غالب آگ تھا اس کا تقاضہ یہی تھا کہ ان کو جلایا جائے تاکہ اپنی اصل کی طرف لوٹے (۲) روح کے جسم سے جدا ہونے کے بعد (۳) قبر میں دکھ اور عیش پانا۔

سے قدم اور وجوب ہے سو حکماء مجردات کے قائل ہوئے ہیں وہ مجردات میں قدم بھی مانتے ہیں یہ بیشک باطل ہے، باقی اگر روح کو مجرد کہا جاوے اور حادث بالذات وبالزمان بھی مانا جاوے تو کون سی دلیل عقلی کے خلاف ہے۔

غرض بعض متکلمین تو سوائے واجب کے کسی چیز کے مجرد ہونے کے قائل نہیں، اور صوفیاء کرام کئی چیزوں کے تجرد کے قائل ہوئے ان کو لطائف کہتے ہیں۔ جیسے روح، قلب، سر، خفی، اخفی اور کہتے ہیں کہ انسان جس طرح عناصر سے مرکب ہے اسی طرح ان اجزائے مجردہ سے بھی ہے۔ اور اس پر دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خلوات ومراقبات میں ان مجردات کا مشاہدہ کیا ہے سو جب تک قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں ہم کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں تو اگر روح مجرد ہے تو اس پر البتہ بیٹھنا صادق نہیں آتا مگر صوفیا اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اسی بدن عنصر کے ہوتا ہے عالم برزخ میں دیا جاتا ہے تو جس طرح یہ حی تھا وہ بھی حی ہے سب عذاب وثواب اس پر ہوتا ہے اور اس بدن کی طرح اسے بھی حس ہوتی ہے بلکہ اس سے زیادہ حس ہوتی ہے کیونکہ اس کا مادہ لطیف ہوتا ہے تو (یجلسانہ)(۱) اسی کے لئے ہے اور اگر روح مادی ہے تو (یجلسانہ) میں کوئی اشکال نہیں بہرحال (یجلسانہ) اس بدن عنصری کے لئے نہیں پس شبۂ تاذی بدن عنصری کا بعد مفارقت روح کے ساقط ہوگیا۔

قربانی میں بدنی مشقت

تو حاصل یہ کہ یہ امر ثابت رہا کہ جب بدن کو تعب ہوگا ملابست نفس (۲) کی وجہ سے ہوگا کیونکہ نفس جب مفارق (۳) ہوجاتا ہے تو کچھ تکلیف نہیں

(۱) یعنی منکر نکیر مردہ کو بٹھاتے ہیں (۲) نفس کے ملنے کی وجہ سے (۳) جدا۔

ہوتی تو ثابت ہوگیا کہ بدن کو تکلیف نفس کو تکلیف ہونے سے ہوتی ہے۔ پس اتعابِ بدن کی اصل اور حقیقت اتعابِ نفس ہوا پس اگر ہم قربانی میں اتعابِ نفس(۱) ثابت کردیں تب تو اس میں عبادتِ بدنیہ کے معنی ثابت ہوجاوئیں گے۔ سوقربانی میں اتعاب نفس موجود ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رقت فطریہ مشارک فی الجنس (۲) پر بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات اس قدر ہوتی ہے کہ مشارک فی النوع(۳) پر بھی اتنی نہیں ہوتی۔ کیونکہ مشارک فی النوع سے کہ انسان ہے بسا اوقات اتنی کلفتیں (۴)پہنچ جاتی ہیں کہ رقت کیسی' بالعکس (۵)اس کے گلے پر چھری پھیرنے سے اور مسرت ہوتی ہے مگر چونکہ مشارک فی الجنس سے اس قسم کی اذیتیں نہیں پہنچ سکتیں جس سے انتقام کی آگ اس قدر بھڑک اُٹھے کہ بغیر اس کے خون کے چھینٹوں کے نہ بجھے۔ اور اگر اس سے کوئی اذیت پہنچتی بھی ہے تو ہر شخص اسے ایک درجہ میں معذور بھی سمجھتا ہے اس لئے مشارک فی الجنس پر رقت زیادہ ہوتی ہے اور اگر زیادہ نہ سہی تو برابر تو ہوتی ہے' برابر بھی نہ سہی کم ہی سہی مگر وہ کم بھی فی نفسہ بہت ہے کسی کتے بلی کو سسکتے دیکھا نہیں جاتا بہت ہی رحم آتا ہے۔

تو اب سمجھ لیجئے کہ جس وقت جانور کے گلے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے چھری پھیرتے ہیں تو کیا دل نہیں دکھتا۔ بہت دل دکھتا ہے حتی کہ بعض اسی وجہ سے اپنے ہاتھ سے ذبح بھی نہیں کرسکتے۔

---

(۱)نفس پر مشقت ہونا (۲) حیوان ہونے میں ہم اور قربانی کا جانور شریک ہیں اس لئے وہ ہمارا ہم جنس ہوا جس کی وجہ سے فطری رقت ہوتی ہے(۳)ایک انسان دوسرے انسان کا ہم نوع ہے (۴)تکلیفیں (۵) رقت کے بجائے اس کے گلے پر چھری چلنے سے خوشی ہوتی ہے۔

سنگدلی کا شُبہ

اب دوسری قوموں کا یہ شبہ کہ یہ لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہیں کہ اِنہیں جانور کے گلے پر چھری پھیرتے ذرا بھی رحم نہیں آتا محض ناواقفی یا تعنت سے ناشی(۱) ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہ شبہ یہ اعتراض فقط گائے کی قربانی کے متعلق ہے۔ چوہے، بکری، مرغی، کبوتر(۲) کے متعلق نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کچھ دال میں کالا ہے یعنی اس شبہ کا سبب ترحم نہیں ہے بلکہ محض حمیتِ مذہبی(۳) ہے اور اگر کوئی ذہین آدمی مذہب سے قطع نظر کر کے سب جانوروں کے متعلق یہی الزام دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسے کیا خبر کہ مسلمان نرم دل ہوتے ہیں یا سخت دل، پس ان کا اعتراض اگرچہ حمیتِ مذہب سے نہیں لیکن ناواقفی سے ضرور ہے، پس اس کا یہ فیصلہ بہت ہی ظاہر ہے۔

مگر باوجود اس کے ظاہر ہونے کے ہمارے علماء مناظرین نہ معلوم جواب میں کہاں کہاں پہنچتے ہیں لیکن ان پر بھی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہاں تحقیق مقصود نہیں ہوتی محض الزام واسکات مقصود ہوتا ہے۔ باقی جہاں تحقیق منظور ہوتی ہے وہاں حق تعالیٰ کی جانب سے اصل حقیقت کا القاء ہوتا ہے سو الحمدللہ حق تعالیٰ نے اس وقت مجھے جواب میں یہ بات سمجھادی کہ انہیں کیا خبر کہ مسلمانوں میں رحم نہیں۔ اب آپ سب مسلمان ٹٹول لیجئے کہ ذبح کے وقت قلب کی کیا کیفیت ہوتی ہے گُھٹتا ہے یا نہیں، بعض موجود بزرگوں کا قصہ سنا ہے کہ ذبح کے وقت آنکھ سے آنسو جاری ہوگئے۔ آخر یہ کیا بات ہے ترحم(۴) اور کسے کہتے ہیں۔

قوتِ عدل

لیکن اس کے ساتھ بڑا کمال مسلمانوں کا قوتِ عدل ہے کہ ایک ہی

(۱) ڈھٹائی اور شرارت پر مبنی ہے (۲) یہ مطلب نہیں ہے کہ ان جانوروں کی بھی قربانی ہوتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو کوئی مارے تو اس پر بے رحم ہونے کا الزام نہیں دیتے (۳) مذہبی غیرت (۴) رحم کھانا۔

طرف نہیں چلے گئے: ﴿وَكَذَالِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾(۱) ''اور ہم نے تم کو ایسی ایک جماعت بنادی ہے جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تا کہ تم مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ گواہ ہوں''

وسط کی تفسیر عدل ہے کہ اعتدال ہے قوت علمیہ وعملیہ دونوں میں کہ جزبرہ و بلاہت(۲) کے وسط میں حکمت' جبن وتہور(۳) کے وسط میں شجاعت۔ اسی طرح قوتِ شہویہ خمود و فجور میں توسط عفت ہے(۴) اور ان تینوں کے مجموعہ یعنی حکمت' شجاعت' عفت کا نام عدل ہے۔ تو یہ امت عادلہ ہے حق تعالیٰ نے احکام بھی ایسے رکھے ہیں کہ اگر ان کے اندر صفت عدل کم ہو تو ان احکام کے برتنے سے درست ہو جائے نہ افراط ہو کہ چھری ڈال دو اور نہ تفریط کہ رحم ہی نہ ہو غرض دونوں میں اعتدال رکھو تو ہمارا بڑا کمال یہ ہے کہ رحم بھی ہے اور چھری بھی پھیرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ کر کہ ع

آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست

''جو جان دینے والے ہیں یعنی خدا تعالیٰ اگر وہ مار ڈالیں تو جائز ہے'' اگر کوئی کہے کہ انہوں نے تو نہیں مارا تو اس کا جواب دوسرے مصرع میں دیتے ہیں ع

نائب است او دست او دست خدا ست

''یعنی وہ خدا کا نائب ہے اس کا فعل مثل خدا کے فعل کے ہے'' یہ تو مسلّم(۵) ہے کہ جان جس کی دی ہوئی ہو وہ لے سکتا ہے ہم اسی کے نائب ہیں اس نے ہمیں حکم دیا اس لئے ہم نے چھری پھیر دی باقی ہم نے جان نہیں نکالی۔ ہم نے تو فقط راستہ کھول دیا جان تو انہوں نے نکالی اب کیا شبہ رہا اہل اسلام پر کہ بڑے سنگ دل ہوتے ہیں۔

(۱) سورۃ البقرۃ:۱۴۳ (۲) چالاکی اور بے وقوفی (۳) بزدلی اور ظلم کے درمیان شجاعت (۴) نامردی اور فسق و فجور زنا کاری کے درمیان پاکدامنی ہے (۵) یہ بات تسلیم شدہ ہے۔

اللہ کی نیابت

آپ بڑے رحمدل ہوتے ہیں کہ خود چوہے نہیں مارتے مسلمانوں کے محلّہ میں چھوڑ آتے ہیں کہ یہ ماریں۔ جب تم ہمیں موش کشی (۱) میں اپنا نائب بناتے ہو تو اللہ تعالیٰ نے اگر گاؤ کشی (۲) میں ہمیں اپنا نائب بنادیا تو کیا قباحت ہوگئی۔ اللہ کی نیابت میں یہ نفع بھی ہے کہ مارو اور کھاؤ اور تمہاری نیابت میں تو فقط مار کر پھینک دینا ہی ہے' اور کچھ بھی نہیں سبحان اللہ یہ رحمدلی ہے کہ ہم سے نہیں مارے جاتے تم مارو' نیابت اور کسے کہتے ہیں یہ تو زبان سے کہنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ اگر زبان سے کہتے تو ایک مسلمان بھی نہ کرسکتا کیونکہ یہ کس کو غرض تھی کہ وہ اپنا کاروبار چھوڑ کر تمہارے گھروں اور دکانوں پر چوہے مارنے جاتا۔ مگر ان کے گھر لاکر چھوڑ دیئے کہ اچھی طرح ان کو مارسکیں۔

ہندوؤں کی رحم دلی کا حال

یہ رحم تو ویسا ہی ہوگیا کہ کسی کی ایک بے حیا بہو تھی اس سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا شوہر کہاں گیا ہے؟ حیا کی وجہ سے منہ سے تو کہہ نہ سکی مگر بتلانا بھی ضرور تھا تو آپ نے کیا کیا کہ لہنگا اُٹھا کر اس کے سامنے موتا اور اس پر سے پھاند گئی۔ مطلب یہ کہ ندی پار گیا ہے۔ تو حضرت بعض ترحم بھی ایسا ہی ہوتا ہے کسی نے زنا کیا حمل رہ گیا' رسوائی ہوئی' لوگوں نے کہا کہ کمبخت تو نے عزل کیوں نہ کرلیا (۳) تو آپ کہتے ہیں کہ سنا تھا کہ عزل مکروہ ہے کمبخت منحوس اور زنا کو کون سا فرض سنا تھا۔ بعضوں کا تقوی بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو یہ ترحم ویسا ہی ہے جیسی اس بہو کی شرم تھی

---

(۱) چوہے مارنے میں (۲) گائے کے ذبح کرنے میں (۳) انزال سے پہلے علیحدہ ہونا۔

کہ منہ سے بولنے میں تو حیا تھی اور لہنگا کھول کر سامنے بیٹھ جانے میں حیا نہ تھی۔ اور پھر مسلمانوں پر اعتراض حضرت میں بقسم کہتا ہوں کہ ترحم مسلمانوں کے برابر کسی قوم کے اندر نہیں ہے، مگر امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے۔ کسی کا قطعہ ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

دے کر قسم کہے کہ تو میرا لہو پئے گر پی نہ جائے جلدی سے پیالہ شراب
اس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپ کو گر کچھ بھی خوف کیجئے روزِ حساب کا
اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب(۱) کا

دنیائے واقعات نے کھلم کھلا ثابت کر دیا ہے کہ ترحم کے موقعوں پر ترحم کرنا یہ خاصہ مسلمانوں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کے برابر کوئی قوم رحمدل نہیں۔

میرے پاس ایک برہمن کا خط آیا تھا کہ مسلمانوں پر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جیو مارتے ہیں مثلاً گاؤکشی وغیرہ کرتے ہیں مگر وہ جیوگا(۲) نہیں مارتے مگر یہ معترض قوم جیوگا مارتی ہے۔ یعنی آدمیوں پر ظلم کرتی ہے مجھے اس شخص کا قول نقل کرنے سے فقط یہ مقصود ہے ع

الحق ماشهدت به الاعداء

''حق وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دے دیں'' یعنی ع

جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کے بولے۔

اب تو کئی شہادتیں ہوگئیں کہ مسلمان بڑے رحمدل ہوتے ہیں۔ بہرحال ان کی رحمدلی ثابت ہوگئی۔ تو اب ذبح میں کتنا بڑا اتعابِ نفس (۳) ہوا جو حقیقت ہے اتعابِ بدن کی، تو اب سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ قربانی میں بدنیت بھی ہے مگر مغلوب اور مالیت غالب جیسا کہ حج میں مالیت بھی ہے مگر مغلوب اور بدنیت غالب یہ بیان ہوگیا قربانی کے عبادتِ بدنیہ ہونے کی دونوں وجہوں کا۔

(۱) کسی بوڑھے یا جوان کا (۲) جیوگا آدمی کے نفس کو کہتے ہیں (۳) ذبح میں نفس پر کتنی زیادہ مشقت ہوئی۔

اصلِ قربانی

اوران کے علاوہ ایک تیسری وجہ اس سے بھی لطیف ہے وہ یہ کہ یہ دیکھنا چاہئیے کہ قربانی بدل کا ہے کی ہے؟ اعتبار اس اصل کا ہوگا۔ جیسے میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ اصل قربانی ہے اور بعد ایامِ نحر کے اس کا بدل یعنی قیمت دینا اس کا قائم مقام ہے پھر بدل پر بھی وہی آثار مرتب ہوجاتے ہیں جو اصل پر ہوجاتے ہیں یہ سو واقع میں قربانی بھی اصل نہیں یہ بھی کسی چیز کا بدل ہے اور اس کی بھی کوئی اور ہی اصل ہے۔ سو وہ اصل وہی ہے جو حضور ﷺ نے صحابہؓ کے جواب میں ارشاد فرمائی:(قالوا ماهذه الاضاحی یا رسول الله ؟ قال سنة ابیکم ابراهیم) ''صحابہؓ نے استفسار کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قربانی کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے''

فرزند کی قربانی

اب اس کی تحقیق سمجھو کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا تھا انہوں نے کون سا فعل کیا تھا سو اگر انہوں نے ایک دنبہ ذبح کیا تھا مگر یہ دیکھو کہ وہ کس کا قائم مقام تھا' سو وہ بیٹے کا قائم مقام تھا۔ اس کا قصہ اول یہ ہوا تھا خواب میں دیکھا تھا۔﴿اِنِّیۡ اَرٰی فِی الۡمَنَامِ اَنِّیۡ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی﴾(۱) ''میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تم کو ذبح کررہا ہوں' سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے'' کہ ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کرو جس کو انہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ سے ذکر کیا۔

شبہ

اس کی نسبت بعض لوگ یہ سمجھے کہ رائے دریافت کرنے کے لئے ابراہیمؑ

(۱) سورۃ الصآفات:۱۰۲۔

نے اسمعیل علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو انہوں نے کہا ﴿یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾(۱) "کہ اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے" اور یہ سمجھ کر ان کو یہ شبہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو نعوذ باللہ تردّد تھا ۔

کار پاکاں را قیاس از خود بگیر گرچہ ماند در نوشتن شَیر و شِیر

"یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو گرچہ ظاہر میں دونوں فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شَیر و شِیر یکساں ہیں"

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تردّد نہ تھا کہ انبیاء میں اس کا احتمال ہی نہیں

اہلِ ظاہر کا غیر محقق جواب

بعض اہل ظاہر اس کے قائل ہوئے ہیں کہ گو تردد نہ تھا مگر اس وقت بیٹے میں باپ سے زیادہ استقلال تھا جیسا کہ ان کے سوال ﴿مَا ذَا تَرٰی﴾ "تمہاری کیا رائے ہے" میں اور ان کے جواب ﴿اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ "وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا" میں موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے پھر اس تفاوت کا ایک نکتہ بیان کیا جو عوام کو پسند بھی آئے گا۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کی اس میں تصریح تنقیص (۲) ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نورِ محمدی ﷺ ابراہیمؑ کے بدن میں تھا اس کی وہ برکت تھی کہ ابراہیمؑ میں کس قدر استقلال تھا کہ آگ میں ڈالے گئے اور مضطرب نہ ہوئے۔ جب اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے تو وہ نور ان میں منتقل ہوگیا اس واسطے وہ اسی درجہ میں مستقل المزاج ہوگئے تھے۔ مگر اس توجیہہ سے میرا تو رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ کیا توجیہہ کی ہے کہ اتنے بڑے پیغمبر کی جناب میں گستاخی کی بھی پرواہ نہ کی۔ بس ایسی توجیہہ رہنے دیجئے ۔

(۱) سورۃ الصآفات: ۱۰۲ (۲) توہین۔

زعشق نا تمام ما جمالِ یار مستغنی است بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

''یعنی جمال محبوب ہمارے عشق وعرفان نا تمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ وروپ خط وخال کی احتیاج نہیں''

نا تمام اس معنی کر کہ اس میں تنقیص ہے ابراہیمؑ کی نورِ محمدی کے جدا ہوجانے کے بعد غیر مستقل ہوجانا محض جزاف(۱) اور رجم بالغیب(۲) ہے۔ غور کرو تو اس میں حضور ﷺ کی بھی گستاخی ہے کیونکہ آپ کا وہ نور ایسا نہیں جس کا اثر زائل ہوجاوے۔ آگ تنور کے اندر جلائی جاتی ہے تو ایک گھنٹہ تک تنور اس کے اثر سے گرم رہتا ہے تو کیا وہ نور اتنا بھی نہ ہوگا کہ اس کے منتقل ہونے کے بعد ابدالآباد(۳) تک اس کا اثر رہے' یہ تفاوت ہی نہیں جو ان جزافات(۴) کے ماننے کی ضرورت پڑے۔

حقیقی جواب

اصل یہ ہے کہ ابراہیمؑ اسمٰعیلؑ کے صرف پدرِ مشفق اور مربی شفیق(۵) ہی نہ تھے بلکہ وہ شیخ بھی تھے۔ سو شیخ ہونے کی حیثیت سے ان کو ان کے استقلال کا امتحان مقصود تھا اس واسطے فرمایا: ﴿فَانْظُرْ مَا ذا تریٰ﴾ ''تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے'' مگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے کہ فرماتے ہیں: ﴿یَا اَبَتِ افْعَل مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ انْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصَّابِرِیْنَ﴾ ''اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے'' اور کیا ٹھکانا ان کے عرفان کا اتنا بڑا توکل کہ اپنی قوت پر نظر نہیں یہاں بھی کہتے ہیں انشاء اللہ کہ اگر خدا کو منظور ہوا پس یہی تو کمال ہے ایسے ہی بیٹے کی نسبت کہتے ہیں ؎

(۱) تخمینی (۲) ایک بلا تحقیق بات ہے (۳) ہمیشہ ہمیشہ (۴) تخمینات کے ماننے (۵) ایک شفیق باپ اور اچھی تربیت کرنے والے ہی نہیں تھے۔

شاباش آں صدف گر چناں پرورد گہر آبا از وکرم و ابنا عزیز تر

''یعنی اس صدف کو آفرین جس نے ایسے موتی کو پرورش کیا۔ ابا اس سے مکرم اور لڑکا عزیز ہے'' تو یہ تھی اس کی اصل چنانچہ اسمٰعیلؑ راضی ہو گئے۔ ابراہیمؑ نے چھری ہاتھ میں لے کر ذبح کے لئے لٹایا۔ اسمٰعیلؑ کا یہ استقلال کمال میں ابراہیمؑ سے زیادہ نہیں۔ بڑا کمال تو ابراہیمؑ کا ہے کیونکہ خودکشی کرتے تو بہتوں کو دیکھا ہوگا یا کم از کم سنا ہوگا مگر فرزند کشی (۱) کون کرسکتا ہے بھلا باپ سے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دے (والنادر کالمعدوم) ''نادر معدوم کی مثل ہے'' اب بتلایئے استقلال کس کا بڑھا ہوا ہے ایک محتمل عبارت ﴿فانظر ماذا تری﴾ ''تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے'' سے یہ سمجھ لینا کہ ابراہیمؑ میں استقلال کم تھا کتنی بڑی غلطی ہے اگر نورِ محمدی ﷺ کے جدا ہوجانے سے وہ غیر مستقل ہوگئے تھے تو اچھا پھر وہ چھری چلانے کے وقت مستقل کیونکر ہوگئے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت

حضور ﷺ کے نور کی برکات تو اس قدر غیر محدود ہیں کہ وہ مفارقتِ بدنِ ابراہیمی (۲) کے بعد ویسا ہی نور بخش دیا تھا جیسا کہ مفارقتِ ناسوت کے بعد بھی ناسوت (۳) کے لئے نور بخش ہو رہا ہے۔

جن انوار کا مشاہدہ آپ کر رہے ہیں اس پر ایک لطیفہ یاد آیا جس میں اس منوریت ناسوت سے ایک دوسرے مذہب کے شخص نے ایک لطیف استدلال کیا تھا وہ قصہ یہ تھا کہ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ کی مجلس میں رات کو دفعۃً ساری شمعیں گل ہوگئیں اور مجلس میں بالکل اندھیرا ہوگیا گو یہ بادشاہ دہری (۴) سا تھا مگر اپنے کو

(۱) مگر اپنے بچے کو کون مار سکتا ہے (۲) حضرت ابراہیمؑ کے جسم سے جدا ہونے کے بعد (۳) دنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد بھی آپ کا نور پوری دنیا کے لئے باعث برکت ہے (۴) لامذہب۔

مسلمان کہتا تھا۔ اس اندھیرے کو دیکھ کر قبر کا اندھیرا یاد آ گیا۔ طبیعت بہت پریشان ہوئی، حکم دیا کہ بیربل کو بلاؤ بیربل حاضر ہوا اس سے اپنی پریشانی بیان کی اس نے تسلی کے لئے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ع الفضل ما شهدت به الاعداء ''فضلیت وہی ہے جس کی دشمن بھی شہادت دے دیں'' کہتا ہے کہ حضور اس کا ہرگز غم نہ کریں مسلمان کی قبر میں اندھیرا ہوتا ہی نہیں کیونکہ آپ امتی ہیں حضور ﷺ کے جب تک آپؐ اس عالم میں رہے یہاں روشنی رہی تمام عالم منور رہا جس کا اثر اب تک باقی ہے جب سے عالمِ قبر میں تشریف لے گئے وہاں بھی آپ کا نور پھیل گیا جس سے مسلمانوں کی سب قبریں منور ہیں۔ تو مسلمانوں کے لئے نہ یہاں اندھیرا ہے نہ وہاں۔ اکبر بہت خوش ہوا فوراً حکم ہوا کہ بیربل کو انعام دیا جائے بہرحال حضور ﷺ کا بڑا قوی نور ہے اور ہم اس کے ثابت کرنے کے لئے اس نکتہ کے محتاج نہ تھے مگر لطیفے کے طور پر ذکر کر دیا(۱) بہرحال یہ ثابت ہوا کہ ابراہیمؑ نے تو اپنی طرف سے بیٹے کو ذبح کیا تھا پھر خواہ ذبح کوئی چیز ہوگئی۔

روحِ حج وقربانی

تو اصل قربانی کی بیٹے کو ذبح کرنا ہے کہ جو اپنے ذبح سے بھی اشد (۲) ہے اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ اشد اخف کو متضمن (۳) ہوتا ہے۔ تو روح قربانی کی اپنا فدا کرنا اور اپنی قربانی کرنا ٹھہرا جس کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر دیتے کہ: ﴿اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِاخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ﴾ (۴)

(۱) ایک حدیث سے بھی اشارۃً ایسا ہی معلوم ہوتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب مسلمان اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے تو فرشتے اس سے تین سوال کرتے ہیں تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور ماذاتقول بهذا الرجل یعنی اس مرد مبارک کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ جس کی ایک توجیہہ محدثین نے یہ بھی لکھی ہے کہ اس میت کی قبر اور حضورؐ کی قبر کے درمیانی پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور میت کو حضورؐ کی زیارت ہوتی ہے تب یہ سوال ہوتا ہے ظاہر ہے جب پردے ہٹ گئے تو آپ کی قبر کے نور سے اس کی قبر روشن ہو جائیگی ۔۱۲خ (۲) سخت (۳) سخت بات ہلکی بات کو شامل ہوتی ہے (۴) سورۃ النساء:۶۶۔

''خودکشی کیا کرو یا شہر بدر ہوجایا کرو تو بہت کم لوگ کرتے'' اس سے معلوم ہوا کہ خودکشی ایسی چیز ہے کہ اس میں مشروعیت کی صلاحیت تھی چنانچہ ابراہیمؑ کے وقت مشروع ہوئی اور انہوں نے اس کو کیا مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ فوراً ہی ایک عنایت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ﴾ ''ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا''

بذبح عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فوراً ایک دنبہ وہاں پر رکھ دیا گیا اور ابراہیمؑ نے اسے ذبح کر دیا تو ابراہیمؑ کے دین میں قربانی مشروع ہوئی تھی۔ انہیں کے موافقت میں اس دین میں بھی مشروع ہوئی۔ تو اصل قربانی اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے اور اعتبار اصل کا ہوا کرتا ہے۔ اب تو اس اصل کے اعتبار سے قربانی نری عبادتِ بدنیہ ہوئی۔ اب مالیت کا پہلو مغلوب ہوگیا اور بدنیہ کا پہلو غالب ہوگیا۔ بہرحال یہ بھی مرکب ہوئی تو حج و قربانی کے درمیان میں ایک مابہ الاشتراک (۱) یہ بھی نکل آیا اور اس وجہ سے تشارک کے بیان کے ضمن (۲) میں اتفاقاً قربانی کی روح بھی مذکور ہوگئی جس کو بعد میں ذکر کرنے کا ارادہ تھا اور چونکہ ابھی متعدد وجوہ سے دونوں میں اشتراک ثابت ہو چکا ہے اسی مناسبت سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہی فدا و فنا روح حج کی بھی ہے تو گویا یہ دونوں عمل ایک جان دو قالب ہوئے تو روح دونوں کی کیا ہوئی اپنے کو فدا کرنا حق تعالیٰ کی راہ میں اہلِ ظاہر اس کو فدا کہتے ہیں، اور اہلِ معرفت اپنی اصطلاح میں فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اور انہوں نے اس پر ایک ثمرہ بھی مرتب کیا ہے جس کو وہ بقا کہتے ہیں اور یہی بقاء انفاق مالی (۳) کی روح ہے جو اتفاق سے روح حج و روح قربانی کے ساتھ ذکر میں آ گئی۔

(۱) وہ چیز جس کی وجہ سے حج و قربانی مشترک ہیں (۲) ذیل میں (۲) مال خرچ کرنے کی روح ہے۔

حج وقربانی میں فنائیت

اب یہ بات رہی کہ فنا کی حقیقت کیا ہے اور حج وقربانی میں فنا کیسے ہے' سو صوفیاء کے نزدیک فنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ارادات' اپنی خواہشیں اور ہوائے نفسانی بالکل ترک کردے اس واسطے کہ حیات کے آثار میں سے یہی چیزیں تو ہیں حی اور غیرحی میں صرف یہی فرق ہے کہ حی احساس متحرک بالارادہ(۱) ہے سو جب اپنا ارادہ دوسرے کے تابع کردیا تو گولغۃً وہ صاحبِ ارادہ ہے مگر اس معنی کر یہ غیر متحرک بالارادہ ہے کہ اس کو حرکت جب ہوگی جب دوسرے کا ارادہ دیکھ لے گا تو اب وہ متحرک بالارادہ نہیں رہا(۲) مثلاً ہمارا ارادہ دوڑ کا ہوا سوچا کہ حق تعالیٰ کا ارادہ تشریعیہ ہمارے دوڑنے کے متعلق ہے یا نہیں حق تعالیٰ کا ارادہ دوقسم کا ہے ایک تشریعیہ دوسرے تکوینیہ' تکوینیہ تو وہ ہے کہ اس سے کسی وقت اور کوئی شے خالی نہیں۔ خیر وشر سب اسی کی ایجاد سے ہوتا ہے سو اس مرتبہ میں تو کوئی بھی صاحب ارادہ نہیں مگر اس سے یہاں اس لئے بحث نہیں کہ اس کا تابع ہونا امرِ اضطراری ہے اختیاری ومطلوب وکمال نہیں' اور ایک ارادہ تشریعیہ ہے کہ عبد سے اس کے موافق بھی فعل ہوسکتا ہے اور خلاف بھی۔

ایک شبہ کا جواب

اور یہاں سے ایک شبہ بھی حل ہوگیا کہ: ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ﴾(۳) ''اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں'' شبہ یہ ہے کہ بہت سی دشواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ اگر یہ عسر باارادۂ حق ہے تو نص مذکور(۴) کے خلاف ہے کہ مثلاً ﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ

(۱) ارادہ سے حرکت کرنے والا (۲) اپنے ارادے سے حرکت کرنے والا نہیں رہا (۳) سورۃ البقرۃ:۱۸۵
(۴) مذکورہ آیت کے خلاف ہے۔

اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ﴾(۱) یعنی آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا مگر خدا کے چاہنے کو ملا دیا کیجئے"

جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یرید سے مراد ارادۂ تشریعیہ ہے یعنی حق تعالیٰ نہیں چاہتے کہ مشکل مشکل احکام مشروع کریں (۲) بلکہ آسان آسان احکام مشروع کرنا چاہتے ہیں چنانچہ کہیں کوئی حکم شریعت کا مشکل بتلا تو دو کہیں نہیں؛ بہرحال یہ مراد ہے ارادہ سے۔ سو مادۂ مذکور سے اس پر نقص لازم نہیں آیا اور اس ارادۂ تشریعیہ کا اتباع کمال اور مطلوب ہے۔ مثلاً ہم نے جس وقت اٹھنے کا ارادہ کیا تو ہم نے شریعت سے پوچھا اور معلوم ہوا کہ ارادۂ تشریعیہ اس کے متعلق ہے تب اُٹھیں گے اسی طرح کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہا تو شریعت سے پوچھا ھل یجوز ام لا (کیا جائز ہے یا نہیں) جواب ملا لا یجوز (نہیں جائز) فوراً آنکھ نیچی کر لی۔ تو جب اپنا ارادہ کیا تھا مگر اس پر عمل بغیر اجازت کے نہیں ہوا تو وہ متحرک بالارادہ کیا ہوا تو ثابت ہو گیا کہ متحرک بالارادہ نہیں ہے۔ (۳)

فنائیت کی حقیقت

رہا حس (۴) سو غلبۂ اطاعت شریعت سے جس میں ارادہ کا فنا مذکور ہوا ہے حِس میں بھی ایک انقلاب ہوتا ہے جس سے حِسِ سابق کا کالباطل و کالزائل ہو جاتی ہے۔ اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ اصل میں اعمال تابع علوم کے ہوتے ہیں لیکن بعد رسوخ ملکہ کے علوم تابع اعمال کے ہو جاتے ہیں یعنی اعمال کے تمرن (۵) سے ادراکات میں بھی ایک انقلاب عظیم واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً پہلے نماز پڑھنا مشکل معلوم ہوتا تھا آج آسان معلوم ہوتا ہے تو یہ تفاوت ادراک میں ہوا

(۱) سورۃ الکہف: ۲۴ (۲) مشکل احکام کا تم کو حکم کریں (۳) اپنے ارادے سے عمل کرنے والا نہیں ہے (۴) احساس (۵) اعمال کے عادی ہو جانے سے۔

اور حس کے اندر تفاوت ہونے کا یہ مطلب ہے، یہ نہیں کہ سوئی چبھے اور معلوم نہ ہو۔ پس ارادہ اور حس دونوں اس طرح سے فنا ہو گئے اس واسطے حساس متحرک بالارادہ نہ رہا۔ پس یہ شخص گو حساسی ہے مگر حکماً میت ہے(۱) جس طرح عضو مفلوج کو حکماً مردہ کہتے ہیں گو حقیقت میں وہ مردہ نہیں اس میں حیات ہے مگر کان لم یکن (۲) محاورہ میں بھی بولتے ہیں کہ کھال مرگئی۔ تو صوفیاء کا مطلب یہ نہیں کہ حیات کا تعلق بالکل نہیں رہا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس شخص پر بہت سے آثار میت کے مرتب ہوتے ہیں۔

پھر آگے اس کے مراتب ہیں فنائے علمی، فنائے حسی، سو ان سے اس وقت بحث نہیں پس یہ حقیقت فنا کی ہے سو یہ بات حج و قربانی میں مختلف وجوہ سے پائی جاتی ہیں۔ قربانی میں تو ظاہر ہے افناء حس تو یہ اس طرح کہ یہ اصل میں افناءِ بدن (۳) تھا۔ جس کے لوازم میں سے افناءِ حس (۴) بھی ہے۔ حق تعالیٰ نے افناءِ بدن کے عوض بدنہ (۵) کو مشروع کر دیا اور افناء ارادہ (۶) اس طرح کہ باوجود یکہ نفس کے اندر مادہ ترحم کا تھا مگر اس کو حکمِ تشریعی سے مغلوب کر کے ذبح کرتا ہے اور اس طرح کے اس ارادہ تشریعیہ کو اتنا غالب کیا کہ ارادہ متعلقہ بالایجاب کو تو کیا ارادۂ متعلقہ بالاستحباب کو بھی پورا کرتا ہے تو گویا افناء ہوا اپنے ارادہ کا اور احساس کا۔

حج میں شانِ فنائیت

اور حج میں یہ معنی بظاہر خفی ہیں مگر بغور جلی (۷) بلکہ اجلی ظاہر (۸) ہیں اس میں تو اول سے آخر تک افناء ہی افناء ہے اور شروع سے آخر تک مردہ ہی مردہ ہے کہ

(۱) گو یہ شخص حقیقتاً زندہ ہے لیکن مردہ کے حکم میں ہے (۲) گویا کہ ہے نہیں (۳) اپنے بدن کو ہلاک کرنا تھا (۴) جس کے لوازم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اپنے احساس کو بھی ختم کرے (۵) اللہ تعالیٰ نے بجائے اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے ایک بکرے کو ذبح کرنے کا حکم دیدیا (۶) اپنے ارادے اور احساس کو ترک کرنا اس طرح ہوا کہ اللہ کے حکم کی موجودگی میں اپنے ارادہ رحم پر عمل نہیں کرتا (۷) ظاہر (۸) زیادہ ظاہر۔

سر نہیں اُٹھا سکتا اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ تمام جذبات فنا کر دیئے کہ خوشبو مت لگاؤ' سیئے ہوئے کپڑے مت پہنو' بیوی سے دل مت بھلاؤ' شکار مت کرو' نہاؤ مت' میل کچیل مت صاف کرو' خوشبودار کھانا مت کھاؤ۔ ایک بات ہو تو کہا جائے۔

اور اس میں فنا کے معنی ایک مقدمہ سے بہت سہولت سے سمجھ میں آجائیں گے ارادہ موقوف ہے تصورِ غایت پر اور غایت کا تصور عقل سے ہوتا ہے تو اول ادراک بالعقل (۱) ہوتا ہے اس کے بعد پھر قوتِ ارادیہ حرکت دیتی ہے اعصاب کو۔

جب یہ مقدمہ سمجھ میں آ گیا تو اب سمجھئے کہ اگر کسی جگہ ایسی حرکت کا ارادہ ہو جو عقل کے موافق نہیں تو اس کو یوں کہیں گے کہ یہ کسی دوسرے ارادہ کے تابع ہے بشرطیکہ جنون نہ ہو۔ کیونکہ اگر اپنا ارادہ ہوتا تو وہ تابع ہوتا اپنی عقل کے ادراک کے اور یہاں اپنی عقل نے اس کی موافقت نہیں کی' پس ضرور وہ فعل دوسرے کے ارادے سے ہوا۔ تو یہاں وہ معنی فنا کے زیادہ تام ہیں وہاں تو ایک ہی بات تھی کہ خلافِ ترحم تھا لیکن پھر بھی عقل فتویٰ دیتی ہے کہ کھانے کھلانے کی ضرورت سے ذبح جائز ہے تو وہاں استحسانِ عقلی بھی ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے ذبح کو عقلاً مستحسن ثابت کرنا چاہا ہے انہوں نے اس طرح استدلال بھی کیا ہے کہ اگر ذبح نہ کریں تو جانور چند روز کے بعد بوڑھا ہو جائے گا اور پھر بالکل معذور ہو کر مرے گا۔ اس سے انسان کو بھی تکلیف ہوگی کہ وہ تھا تو مخدوم مگر اب جانور کے بڑھاپے اور معذوری میں اس کی خدمت کرنی پڑے گی اور یہ بالکل قلبِ موضوع (۲) ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی اس کو کام میں لے آؤ تاکہ انسان خادمیت سے اور جانور بڑھاپے اور معذوری کی تکلیف سے محفوظ رہے تو انہوں نے اس طرح استحسانِ عقلی ثابت کیا جزاھم اللہ تعالیٰ (۳) مگر حج میں عجیب

(۱) عقل سے جاننا (۲) یہ بالکل خلافِ وضع ہے کہ جو خادم ہو مخدوم بن جائے (۳) اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے

ہیچ ہے کہ کوئی اس پر آج تک قادر نہیں ہوا کہ اس کو عقل کے موافق ثابت کر سکے۔ پس یہاں پورا پورا افناء ہے کہ باوجود مزاحمتِ عقل کے پھر اس کا ارادہ کیا اور اپنے کو بالکل دوسرے کے ارادے کے تابع کر دیا۔

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

''محبوبِ حقیقی نے یہ حرکات پیدا کر دیئے ہیں جس طرف چاہتے ہیں متحرک کر دیتے ہیں''

عاشقانہ افعال

سنئے حج میں افعال کیا ہیں کہ سارے عقل کے خلاف ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اچھے خاصے اپنے کاروبار میں لگے ہوئے' اپنے اہل وعیال میں آرام سے بیٹھے ہوئے ایک کوٹھری اور جنگل کا قصد کر کے جاؤ اگر وہاں اللہ میاں ہوتے تو ایک بات بھی تھی۔ مگر وہ تو مکان سے منزّہ(۱) ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہو؟ سو آج تک عقل چکر میں ہے۔

میرے بھائی سے ایک آریہ نے کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ خوبی ہے کہ اس کی ہر تعلیم عقل کے موافق ہے اور تمہارے یہاں یہ بات نہیں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے۔ بھائی نے کہا یہی دلیل ہے اس کی کہ ہمارا مذہب سماوی(۲) ہے اور تمہارا ارضی(۳) دیکھو بہت سی باتیں اپنے خانگی انتظام کے متعلق ایسی ہوتی ہیں کہ ہم تم تو سمجھتے ہیں مگر ہمارے نوکر نہیں سمجھتے اس واسطے کہ ہماری عقل انکی عقل سے بالاتر ہے۔ اسی طرح خدائی احکام کی یہی علامت ہے کہ کہیں ہماری سمجھ میں آویں اور کہیں نہ سمجھ میں آویں۔ اور جب تمہاری سب مذہبی تعلیمات عقل

(۱) مکان کی قید سے پاک ہیں (۲) آسمانی ہے یعنی اللہ کا عطا فرمودہ (۳) تمہارا زمینی یعنی خود گھڑا ہوا۔

کے موافق ہیں تو معلوم ہوا تمہیں جیسوں نے اس کو اپنی عقل و ذہانت سے گھڑ لیا ہے آسمانی نہیں ہے۔ واقعی خوب لطیفہ ہے۔

غرض حج میں سب سے اول تو عقل کو دور کر دیا گیا ہے۔ پہلے ہماری سواری اس پر تھی مگر یہ رہبری کہاں تک کر سکتی تھی۔ آخر ایک حد پر پہنچ کر اس سواری کو چھوڑ دیا۔ عقل کی مثال بالکل گھوڑے کی سی ہے کہ ایک پہاڑ ہے بالکل سیدھا چلا گیا ہے نہ ڈھلوان ہے کہ سواری پر جا سکیں نہ کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے تو گھوڑے پر وہیں تک جا سکتے ہیں جہاں تک میدان ہے آگے جہاں سے پہاڑ شروع ہوتا ہے وہاں گھوڑا نہیں جا سکتا اب کا ہے کہ ضرورت ہے' یا تو غبارہ کام دے سکتا ہے یا کمند کام دے سکتی ہے۔ پس آپ کی عقل مرکب ہے جہاں پہاڑ آیا رک گئی۔ تو احکامِ حج مشابہ پہاڑ کے ہیں عقل بیچاری ان میں کہاں عبور کر سکتی ہے۔ چنانچہ عقل چکر میں ہے کہ اس کوٹھری تک اس طرح جانے کی کیا ضرورت ہے۔

اس کے بعد عرفات ایک میدان ہے وہاں جانے سے کیا فائدہ۔ پھر سات کنکریاں لے کر نشانوں پر مارنا یہ بھی خلافِ عقل ہے شیطان وہاں بیٹھا نہیں جسے مارتے ہو۔

ایک بزرگ سہارنپور کے رہنے والے کہتے تھے کہ ہم نے ایک شخص کو دیکھا کہ جمرہ پر دھوڑی (۱) کا ایک بڑا سا جوتا مار رہا تھا اور شیطان کو خطاب کر کے یہ کہتا جاتا تھا ارے کمبخت! اے خبیث! تو نے فلانے دن فلاں حرکت کرائی تھی۔ جب اسے ایک بات یاد آئی ادھر ایک جوتا دیا (۲)۔ حالانکہ یہ حرکت بھی شیطان ہی کی تھی کسی نے کہا ارے یہ کیا جہالت ہے۔ تو کہنے لگا معلوم ہوتا ہے تم اس کے طرف دار ہو ادھر میری طرف آؤ تو تمہیں بھی بتا دوں۔ پھر بھلا کہنے کی کسی کو کیا غرض تھی۔

(۱) چمڑے کا دیسی جوتا (۲) ایک جوتا مارا۔

بعض بعض سپاہیوں کو میں نے سنا ہے کہ گولی مارتے ہیں' اب وہاں شیطان کہاں ہے یہ دوسری بات ہے کہ اسے اس سے تکلیف ہوتی ہے' تو جب ان کاموں کے ارادوں سے چلے تو اول تو یہ چلنا ہی خلافِ عقل تھا۔ مگر اس شخص نے عقل کو گردن پکڑ کے گھر پر باندھ دیا اور چل کھڑا ہوا۔ اب عقلاء نے ملامت شروع کی کہ کہاں جاتے ہو بیچ میں اتنا بڑا سمندر حائل ہے۔

ایک شخص بنارس کے رہنے والے حج کے ارادے سے بمبئی آئے' سمندر کو دیکھا تو کہنے لگے ارے بھائی اس میں سے سفر ہوگا اس میں سے جانا تو بہت دشوار ہے بس لوٹ گئے' واقعی ہے بھی بحرنا پیدا کنار(۱)۔ تاجروں کا کیا ہے اگر یہ ہمت کریں تو کیا کمال وہاں تو نقد ملتا ہے۔ کمال حجاج کا ہے کہ ادھار ہے مگر پھر بھی ہمت کرتے ہیں۔ ہر طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اتنا بڑا سمندر پھر بڑے بڑے پہاڑ' لق ودق میدان عبور کر کے وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔

زبان کا مسئلہ

پھر وہاں زبان اجنبی نہ یہ کسی کی سمجھیں نہ کوئی ان کی سمجھے' ہمارے ایک عزیز تھے ان سے بدوی نے روٹی مانگی انہوں نے انکار کر دیا' جب آگے پہاڑ آیا تو اس نے وزن برابر کرنے کے لئے ان سے کہا گُدَّام گُدَّام (قُدَّام قُدَّام) یعنی آگے بڑھ کے بیٹھو۔ یہ سمجھے کہ روٹی نہ دینے سے ناخوش ہو گیا ہے اس لئے مجھے گالیاں دے رہا ہے اور گڈام گڈام کہہ رہا ہے یہ سمجھ کر اس سے لڑنے لگے جب اس نے اشارے سے کہا تو سمجھ گئے پھر آگے بڑھ کر بیٹھے۔ اور لیجئے ایک حاجی کو پیشاپ لگا انہوں نے کہا موتوں' تو بدوی سمجھا مجھے کوستا ہے کہ مُوتُوا یعنی مرجاؤ اس نے کہا لَا اَمُوت یعنی میں نہیں مروں گا۔ یہ سمجھے کہ کہتا ہے مت موتو۔ یہ کہتے ہیں موتوں' وہ کہتا ہے لَا اَمُوت بڑی دیر یہی گفتگو رہی ایک مصیبت پڑ گئی۔

(۱) ایک ایسا سمندر جس کا کنارہ نظر نہیں آتا۔

ایک دیگچی کسی بڑھیا نے پائی تھی پوچھتی پھرتی تھی کہ کس کی ہے' ایک بدوی کی تھی اس نے کہا ہکّی ہکّی (حقّی حقّی) یعنی میری ہے' بڑھیا یہ سمجھی کہ کہتا ہے تو نے اس میں ہگا ہے' تو کیا کہتی ہے اللہ کی قسم میں نے اس میں کبھی نہیں ہگا۔ تو غرض یہ لطف اور یہ تماشے ہوتے ہیں لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ لوگ صرف عربی ہی بولیں اردو بھی بولتے ہیں مگر وہ بھی عجیب' سنیئے جب شغدُف (۱) اونٹ پر رکھتے ہیں تو اونٹ پر رکھنے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے ایک اونٹ والا ہوتا ہے دوسرا وہ حاجی جس نے کرایہ کیا ہے۔ شغدف کے اُٹھوانے کے واسطے کہنا تو یہ چاہئے آگے سے اٹھا مگر کہتے یہ ہیں کہ آگے بیتو آگے بیتو۔ بعضے لوگ بیٹھنے لگتے ہیں اس پر خوب لڑائی ہوتی ہے۔

اور لیجئے مردوں کو بی بی کہہ کر پکارتے ہیں' بازار والے کہتے ہیں' بی بی روتی (بی بی روٹی) اور بی بی کی سمجھ میں نہ روتی آتی ہے نہ ہنستی' جیسی یہ اردو بولتے ہیں ہمارے ہندوستانی عربی بھی بولتے ہیں۔

ہمارے ایک رفیق ساری بات تو اردو میں کہہ دیتے اور سب کے اخیر میں ھـــذا بڑھا دیتے' ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پوتے مقصود نام تھا وہاں ان کو عربی سکھلائی گئی۔ بتایا گیا کہ جب کسی سودے کا نرخ دریافت کرتے ہیں تو کہتے ہیں یـا عـم ھـذا بکم ''اے چچا اس کی کیا قیمت ہے'' اب وہ بیچارے رٹ رہے ہیں یاد کر رہے ہیں' اب بازار گئے وہاں اس سے پوچھتے ہیں یا عم انت بکم ''اے چچا تمہاری کیا قیمت ہے'' اب لوگ ہنستے ہیں سمجھ گئے کہ ھذا کی جگہ انت کہہ رہے ہیں غرض بڑی دل لگیاں رہتی ہیں' گھونسے چلتے ہیں لڑائیاں ہوتی ہیں اس لئے عقلاء کہتے ہیں ایسی جگہ کہاں چلے۔

(۱) کجاوا۔

کیفیت آغازِ سفر

جب میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ حج کو چلا تو چھوٹی عمر تھی ایک خط میرے پاس آیا کہ اخبار کی خبر ہے کہ سمندر میں تلاطم وطوفان ہے اس حالت میں کہاں جاتے ہو میں نے جواب میں لکھا کہ ؎

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چو تو پشتیباں چہ باک از موج بحراں را کہ باشد نوح کشتیباں

''امتیوں کو کیا غم ہے جب کہ آپؐ جیسا ان کا معاون و مددگار ہے سمندر کے طوفان سے اس کو کیا خوف جس کا کشتیباں نوحؑ ہیں''

اور اس قدر دل بے فکر تھا کہ نہ مرنے کا غم نہ تکلیف کا اندیشہ دل کو عجیب اطمینان تھا' غازی آباد کے اسٹیشن پر ایک تحصیلدار والد صاحب کو ملے کہنے لگے کہاں چلے بڑا طوفان ہے۔ والد صاحب نے فرمایا معاف کیجئے اور بلسان حال یہ کہا ؎

عذل العواذل حول قلبی التائه وهوی الاحبة منه فی سودائه

''ملامت گروں کی ملامت تو دل کے چاروں طرف رہتی ہے اور دوستوں کی محبت سودائے قلب ہے''

تجربہ کی بات ہے کہ جب ارادہ کرلیا تو پھر یہ حالت ہوتی ہے ؎

نساز و عشق را کنج سلامت خوشا رسوائی کوئے ملامت

''یعنی عشق کو گوشۂ سلامتی موافق نہیں اس کے مناسب کوچۂ ملامت کی رسوائی بہت اچھی ہے'' کچھ بھی پرواہ نہیں۔

صورتِ عشاق

یہ تو سفر کا وقت تھا' آگے جب احرام کا وقت آیا عجیب گت بناتی گئی

نواب صاحب تھے' نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھے حکم ہوا اتارو ان کو یہ کیا گدھے کا سا پالان لادے ہوئے ہو۔ عشاق کا لباس پہنو۔

لنگکے زیر و لنگکے بالا نے غم و دزد نے غم کالا

''ایک لنگی اوپر ایک نیچے نہ چور کا غم نہ مال و متاع کا''

سب ایک شکل کے ہوجاؤ۔ اب معلوم نہیں ہوتا کہ کون والی ملک ہے' کون نواب ہے' کون رئیس ہے' اب کسی نے سفید چادر سفید ہی آزار رکھی' کسی نے میلا ہونے کے خیال سے زرد مٹی میں رنگ لیا۔ غرض عمامہ' تاج' نکٹائی ناک کٹائی کچھ بھی نہیں' وہاں اس کی گنجائش ہی نہیں اچھا احرام بندھ گیا' اب سر مت ڈھکو سلا ہوا کپڑا مت پہنو' خوشبو کا استعمال مت کرو' جوں مت مارو' بال مت منڈواؤ' ناخن مت کترواؤ غرض ایک عجیب شکل بن جاتی ہے جس سے یہ از خود رفتہ معلوم ہوتا ہے' اگرچہ از خود رفتہ نہیں' مگر کیا رحمت ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم(۱) میں ہم نے شمار کرلیا ہم اچھوں کی شکل بنانے والوں کو بھی اچھوں ہی میں شمار کرتے ہیں۔

اہل اللہ کی سی شکل بنانے کا فائدہ

حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں فرعون کے طلبیدہ جادوگر جس وقت آئے تو وہ موسیٰؑ کی وضع بنا کر آئے تھے پہلے تو انہوں نے مقابلہ کیا اس کے بعد سب سجدہ میں گر پڑے اور مسلمان ہوگئے' موسیٰؑ نے پوچھا اے اللہ جو لوگ مقابلہ کے لئے آئے تھے ان پر یہ رحمت! ارشاد ہوا وہ تمہاری شکل بنا کر آئے تھے ہماری رحمت نے گوارا نہ کیا کہ جو ہمارے محبوب کی شکل بنا کر آئے وہ محروم واپس جائے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اپنے شیخ کی پالکی کے ساتھ دوڑے ہوئے جارہے تھے۔ راستہ میں مسجد میں چند قلندر مکاری سے گردن جھکائے بیٹھے تھے ان

(۱) یعنی جو شخص کسی قوم کے مشابہ ہوا اس کا اسی میں شمار کیا جائے گا۔

میں ایک پیر بھی تھے۔ شیخ نے انہیں اس حالت میں مبتلا دیکھ کر فرمایا۔ مرزا اگر شیاطین نہ دیکھے ہوں تو دیکھ لو' پالکی چلی گئی یہ ٹھہر گئے تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی پہنچے پوچھا مرزا کہاں رہ گئے تھے عرض کیا حضور جس وقت چلے گئے تو میں نے یہ سوچا کہ یہ سب کے سب خاص بزرگوں کی وضع میں ہیں اور ان پر حضور کی نظر بھی پڑی ہے گو نظر عتاب ہی سہی تو جنہوں نے بزرگوں کی شکل بنائی ہے اور ان پر حضور کی نظر بھی پڑی ہے وہ محروم نہ رہیں میں ان کے قلوب میں القائے نسبت کرنے کے لئے ٹھہر گیا تھا' سب کے سب صاحب نسبت ہو گئے۔ اور آ کر شیخ سے بیعت ہوئے تو اللہ والوں کی مشابہت بھی بیکار نہیں جاتی۔

بدوضع کا اثر

اسی طرح بدوضع اور بدچلن لوگوں کی وضع بھی ضرور اثر کرتی ہے۔ آج کہتے ہیں کہ کیا ہم کوٹ' پتلون' بوٹ' سوٹ پہننے سے نصرانی ہو جائیں گے۔ میں نے ایک مرتبہ گورکھپور میں وعظ میں کہا کہ تم گھر میں جا کر بیگم صاحبہ کا جوڑا لے کر پہنو' کڑے بھی پہنو' چھڑے بھی پہنو' بالیاں بھی کانوں میں اٹکالو کیونکہ سوراخ تو ہیں ہی نہیں جو پہنو گے اور وہی دوپٹہ اوڑھ کر تھوری دیر مجلس میں اجلاس کرلو' اگر کوئی کہے ہنسے بتائے کہ زنانہ لباس پہنے ہو تو کہو کیا زنانہ کپڑا پہننے سے عورت ہو جائیں گے۔ جب تم ایسا کرلو گے تو ہم جواز کا فتوی تو نہ دیں گے ہم تو دونوں کو ناجائز ہی کہیں گے مگر تم کو کہنا چھوڑ دیں گے۔ اور اگر تم نے یہ نہ کیا: ﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ﴾(۱) (سو اگر تم نے نہ کیا) اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو جو کفار کے لئے تیار ہے۔ یہ کیا بات ہے کہ زنانہ لباس تو نہیں پہنتے اور نصرانیوں کا

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۴۔

لباس نہیں چھوڑتے۔ اسی دن اخبار میں چھپا کہ تشبہ کا مسئلہ آج بالکل صاف ہوگیا۔ عجیب مہمل مذاق ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دلیل نہیں سمجھتے آج کل مثال کو دلیل سمجھتے ہیں۔ بہرحال اس کے ساتھ تبعًا بروں کے ساتھ تشبہ کرنے کی خرابی بھی بیان ہوگئی۔

بیان یہ کررہا تھا کہ عشاق کی شکل ہی بنانے سے عشاق کی فہرست میں نامزد ہوجاتے ہیں مگر عقل کا کب فتویٰ ہے کہ یہ وضع اختیار کرو۔ اچھی خاصی شکل کو بگاڑو آگے ہم نہایت متین تھے احرام باندھتے ہی ساری متانت رخصت پہلے آہستہ بولتے تھے اب پکار کر کہو۔

لبیك اللھمّ لبیك لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔ ''اے اللہ میں حاضر ہوں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں تمام حمد اور نعمت اور ملک آپ ہی کے لئے ہے آپ کا کوئی شریک نہیں'' نمازوں کے بعد کہو اوپر چڑھو تب کہو نیچے اترو تب کہو۔ غرض ہر تغیر حالت کے وقت کہو۔

عورت کا احرام وتلبیہ

سوائے عورت کے کہ اس کے لئے تلبیہ کا جہر(۱) نہیں کیونکہ اس کی آواز میں فتنہ ہے لباس بھی وہ نہیں اس واسطے کہ اس میں کشفِ عورت ہے لیکن اس میں ایک جزو عقل کی رسائی سے آگے ہے کہ سر پر کپڑا ڈالنا تو فرض مگر منہ پر ڈالنا ناجائز۔ عورتیں یہ کرتی ہیں کہ خاص وضع کے پنکھے جو اسی لئے بنائے جاتے ہیں اور ان میں جالی بھی ہوتی ہے ماتھے پر لگالیتی ہیں تاکہ منہ پر بھی نہ لگے اور چہرہ بھی نہ کھلے۔

(۱) عورت کے لئے زور سے تلبیہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے

احکامِ حرم

یہ تو احرام ہوگیا آگے حرم میں پہنچے وہاں یہ حکم ہے کہ شکار مت کرو اگرچہ طواف وسعی کے بعد احرام کھل گیا۔ مگر اب بھی وحشی جانوروں کو مت مارو چاہے اس کو پال ہی لیا ہو مگر اس کا ذبح جائز نہیں، فرمایئے یہ کون سے قانون عقلی کے مطابق ہے۔

حج کی طرف کشش

خلاصہ یہ کہ اول سے آخر تک ایک فعل بھی قانونِ عقلی کے مطابق نہیں مگر باوجود اس کے عجیب بات ہے کہ انسان کو حج کی طرف کشش اس قدر ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا حالانکہ اس کی غایت مدرک بالعقل (۱) بھی نہیں بلکہ جن طاعات کی غایات مدرک بالعقل ہیں ان کی طرف اتنی کشش نہیں ہوتی، مثلاً نماز کہ اس کے باب میں ارشاد ہے ﴿اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ﴾ (۲) ''وہ گراں ہے'' پس اس کے پڑھنے میں اتنی کشش تو کیا ہوتی بلکہ بہتوں کو گرانی ہوتی ہے۔ مگر حج میں خدا جانے کیا جاذبۂ غیبی ہے جو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے بعد طواف کرو سب پھیرے گھومو اول کے تین پھیروں میں ذرا مٹک کر شانے ہلا ہلا کر پھدک پھدک کر چلو بعضے شرما بھی جاتے ہیں۔ اب چاہے متین ہوں مگر سب کرتے ہیں اور اس قدر شوق سے کرتے ہیں کہ بے اختیار رونا آتا ہے۔ وہاں جس وقت یہ کرتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ ہنسی آوے مگر اُلٹا رونا آتا ہے اور وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

''اے اللہ چشمۂ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا ایک دریا بن گیا''۔

(۱) عقل میں نہیں آتی (۲) سورۃ البقرۃ: ۴۵۔

عجیب چیز ہے محبت کہ ایک قطرہ اس کا دریا سے بھی بڑھ گیا۔ تو یہ بات کیا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

علی ہذالقیاس سعی کرو دو پہاڑیوں پر چڑھو اترو اور میلین اخضرین کے درمیان میں دوڑو بچے دوڑا کرتے ہیں خیر جنگل میں تو سب ایک طرح کے ہیں ع مرگِ انبوہ جشنی دارد ''عام مصیبت ایک قسم کی جلسۂ جشن بن جاتی ہے''۔

مگر سعی کے موقع پر تو بہت بڑا بازار ہے۔ تجار تجارت میں مصروف ہیں اور یہ بچوں کی سی حرکتیں کررہے ہیں۔ ان کے درمیان علی الاعلان ملامت لے رہے ہیں۔

غرض یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں صفا سے مروہ پر اور مروہ سے صفا پر جاؤ آؤ۔ ابھی تک آہستہ چل رہے تھے میلین اخضرین دونشان ہیں ان کے درمیان میں دوڑنے لگے ہیں یہ کیا ہوا کیا کسی نے مارا؟ بھاگتے کیوں ہو؟ بھاگتے بھاگتے میلین اخضرین سے گزر کر پھر آہستہ چلنے لگے' ابھی اگر دوڑے تھے تو دوڑتے ہی رہے ہوتے۔ جب اس پہاڑ پر پہنچے پھر وہاں جاؤ جب اس پہاڑی پر پہنچے پھر یہاں آؤ۔ آخر یہ کیوں؟ ہمیں کیا معلوم کیوں؟

ایک بڑھیا کا قصہ یاد آیا سعی کرتی کرتی بیچاری جب تھک گئی تو مطوف سے کہنے لگی اجی مولوی جی چھوڑ دو معاف کردو اب تو میں بہت تھک گئی۔ مولوی جی بیچارے کیا معاف کردیں وہ خود اسی میں مبتلا ہیں۔

غرض عجیب لطف ہے' اور لیجئے اچھے خاصے بال بنے ہوئے ہیں انہیں منڈواؤ سر کو خرپزہ بنادیا سر منڈا ہوا ہے۔ عجیب لطف ہے ان کے دل سے پوچھو کہ اسی میں باغ باغ ہیں پہلے جو اس پر ہنستا تھا آج وہ بھی ایسا ہی بنا ہوا ہے۔

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی کرامت

وہی حالت ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ پر ہنس کر حضرت مولانا جلال الدینؒ کی ہوگئی تھی۔ ایک جولاہا شیخ کا مرید تھا مولانا جلال الدینؒ کے پاس بھی جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ تھانیسر تشریف لے گئے وہ جولاہا مولانا کے پاس گیا۔ انہوں نے کہا تمہارے پیر آئے ہیں جو ناچا کرتے ہیں اسے یہ فقرہ بہت ناگوار ہوا شیخ سے جا کر کہا کہ فلاں شخص ایسا کہتے تھے شیخ کو جلال آ گیا فرمایا کہ اب جانا تو کہہ دینا کہ وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ یہ سن کر بڑا خوش ہوا اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصداً چھیڑا۔ حضرت کیا فرمایا تھا؟ انہوں نے پھر فرمادیا اس نے عرض کیا۔ ''حضرت! وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں'' اس فقرہ کا سننا تھا کہ بس کھڑے ہوکر رقص کرنے لگے اب کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ خادم کو بھی بیعت کر لیجئے۔ چنانچہ مرید ہوئے اور اس مرتبہ کو پہنچے کہ شیخ کے ارشدالخلفاء میں سے ہوئے، ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں ہیں۔ تو شیخ نے تو ذرا سی دیر کے لئے ان کی یہ حالت بنائی تھی اور یہاں پر مدتوں کے لئے یہ حالت بنائی گئی ہے۔ یہ تو مکہ تک تھا۔

منٰی کی حاضری

اس کے بعد پھر آٹھویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر منٰی میں آیئے اس دن کو یوم الترویہ کہتے ہیں۔ یہاں ظہر، عصر، مغرب، عشا اور فجر کی نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھیئے۔

وقوف عرفہ

اس کے بعد منٰی سے نویں تاریخ کو یومِ عرفہ کو عرفات میں آیئے۔ خدا کی

قدرت ہے عرفات ایک میدان ہے مزدلفہ اسی کے متصل ہے ایک بالشت اُدھر تک تو کچھ نہیں جہاں ایک بالشت اِدھر قدم رکھا بس اسی وقت سے حاجی کہلانے لگے۔ الحج عرفة یعنی وقوف عرفہ ہی حج ہے۔ اس معنی کر کہ یہ سارے فرائض میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور فرائض کا تو بدل بھی ہے مگر وقوف عرفہ کا کوئی بدل نہیں؛ جس سے یہ ترک ہوا اس کا حج ہی نہیں اور سوائے اس کے کوئی تدارک نہیں کہ آئندہ سال قضا کرے۔ اللہ اکبر حیرت ہے یہ ایک قدم ایسا ہے جس کے لئے لاکھوں جانیں؛ لاکھوں راحتیں لاکھوں روپے؛ لاکھوں قدم فدا کرے تو وہ ہے یہ قدم۔

اسی طرح بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وصول تو دفعۃً ہوتا ہے سیر میں البتہ زمانہ خرچ ہوتا ہے اور وصول میں تو کچھ دیر نہیں لگتی وہ تو آنی ہے اس میں زمانہ بھی نہیں خرچ ہوتا۔ اب وہاں پہنچ کر خوش ہیں بس رہو یہاں شام تک۔ ایک روزمرہ کا کام تھا نماز اس کی یوں کایا پلٹ دی کہ پہلے تو وقت پر پڑھا کرتے تھے؛ آج ظہر ہی کے وقت عصر کی بھی نماز پڑھ لو۔ حضرت ابھی تو وقت نہیں آیا ہے کہاں کا وقت اور کیسا وقت؛ آج عصر کا وقت یہی ہے؛ وجہ؟ وجہ یہی کہ ہمارا حکم ہے۔ حیرت میں ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

مزدلفہ روانگی

اب دن چھپا مغرب کی نماز کے لئے تیار ہوئے خبردار یہاں مت پڑھنا؛ یہاں پڑھو گے تو ہوگی نہیں؛ آج مغرب وعشاء کا وقت ساتھ ساتھ آئے گا۔ یہ کیا قصہ ہے؛ عقل حیران ہے کہ عصر کی نماز کو ظہر کے ساتھ کر دیا اور مغرب کو عشاء کے ساتھ؛ خیر جب غروب ہو گیا تو مزدلفہ میں آیئے یہاں عشا و مغرب کی نماز ساتھ ساتھ پڑھئے۔ پہلے مغرب پڑھئے پھر عشاء اگر اس کا برعکس (۱) کر دیا تو عشاء پھر سے پڑھئے۔ حالانکہ اور ایام (۲) میں غیر صاحب ترتیب کو جائز تھا کہ وہ عشاء پہلے پڑھ لے اور پھر مغرب مگر یہاں جائز نہیں کیونکہ آج مغرب ادا ہے گو وقت نکلنے

(۱) اگر اس کا الٹ (۲) اور دنوں میں۔

سے قضا معلوم ہوتی ہے۔

منٰی واپسی

اس کے بعد اب صبح ہوئی، فجر کی نماز اول وقت پڑھئے اور آفتاب نکلنے سے پہلے جب روشنی ہوجائے تو مزدلفہ سے چل کر منٰی میں آیئے یہ دسویں تاریخ کا دن ہے یہاں کیا کیجئے کہ سب سے پہلے جمار ثلث(۱) پر سات سات کنکریاں مارو اور اس کے بعد قربانی کرو پھر سر منڈاؤ اس کا حدِ عقل سے آگے ہونا ابھی بیان ہی کر چکا ہوں یہاں تین دن ٹھہرو۔ تیرھویں کو اختیار ہے کہ ٹھہرو یا جاؤ۔

طوافِ زیارت

آگے پھر طوافِ زیارت کرو، پھر جو جی چاہے کرو، اے لیجئے! حج ختم ہوگیا۔ اب بتایئے اس میں کون سی بات عقل کے موافق ہے۔

فنائے اتم

لوگ خلافِ عقل ہونے سے ان افعال کو بے وقعت ثابت کرنا چاہتے ہیں مگر ہمارے نزدیک یہی خلاف عقل ہونا وقعت کو بڑھاتا ہے۔ ع

معشوق من است آنکہ بنزدیک تو زشت است ''جو تمہارے نزدیک ناپسند ہے وہی ہم کو محبوب ہے'' جتنا تم مخالفات عقل کی فہرست بڑھاؤ گے ہمارے دعوے کی دلیل کو قوت ہوتی جائے گی۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ تھا کہ حج میں فنائے اتم ہے بالکل مردہ کر دیا ہے۔ ع

پابدست دگرے دست بدست دگرے

''دست و پا دوسروں کے قبضے میں ہے''

(۱) تینوں جمرات پر سات کنکری مارو جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے دن صرف جمرہ عقبی پر اور باقی دونوں دن تینوں جمرات پر سات سات کنکری ماری جاتی ہے۔

کیونکہ حی کا خاصہ ہے کہ متحرک بالارادہ (۱) ہوانہوں نے اپنے ارادے کو بالکل مٹادیا ہے۔ کوئی حرکت ان کی اپنے ارادے سے نہیں ہوتی' ان کی وہ حالت ہے کہ ہر حاجی بزبان حال کہتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائی تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

''یعنی زندہ کریں آپ کی عطا ہے' اگر قتل کریں آپ پر قربان ہیں' دل آپ پر فریفتہ جو کچھ تصرّف کریں ہم راضی ہیں''۔

دوسرا شعر جو حج پر صادق آتا ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن دل بدست دیگرے دادن و حیراں بودن

''عاشقی کیا ہے؟ محبوب کا غلام بن جانا دل دوسرے یعنی محبوب کے قبضے میں دے دینا اور حیران رہنا''۔

اپنے کو دوسرے کے قبضہ میں دے دیا اور حیران ہیں ؎

سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن گاہ کافر شدن گاہ مسلمان بودن

''محبوب کے زلف کی طرف نظر کرنا اور اس کے چہرۂ انور کو دیکھنا کبھی فانی ہونا اور کبھی باقی''۔

کفر کے معنی ہیں ستر' چونکہ اپنا ارادہ اپنی ہستی مستور (۲) ہوجاتی ہے۔ اس لئے فنا کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام بقا کو کہتے ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوئے کہ گاہ فانی شدن و گاہِ باقی (کبھی فانی ہونا کبھی باقی ہونا) اور فنا کی تجلی کو زلف سے تعبیر کرتے ہیں اور بقا کی تجلی کو رُخ سے۔

---

(۱) کیونکہ زندگی کی علامت یہ ہے کہ اپنے ارادے سے حرکت کرے (۲) اپنی ذات پوشیدہ ہوجاتی ہے۔

سوئے زلفش نظرے کردن درویش دیدن گاہِ کافر شدن و گاہ مسلمان بودن

یہ حالت ہے گویا حج کی کہ فنائے اتم کی شکل تو بنا ہی دی۔

مقامِ عبرت

اب ہمیں عبرت پکڑنی چاہیئے کہ معنی فنا کا بھی کوئی حصہ میسر اگر ہوا تو مبارک ہو ورنہ نرا مرور(۱) تو ایسا ہی ہے کہ ؎

خر عیسٰی اگر بمکہ رود چوں بیاد ہنوز خر باشد

''خر عیسٰی اگر مکہ میں جاوے تو مکہ کی واپسی کے بعد بھی خر ہی رہتا ہے''۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حصہ کیسے نصیب ہو؟ سو وہ بہت سہل ہے تم اس کا قصد کرلو جو قصد کر لیتا(۲) ہے اس کا حج حجِ بیت نہیں رہتا بلکہ حجِ رب البیت ہو جاتا ہے جس کی نسبت ارشاد ہے ؎

حج زیارت کردن خانہ بود حج رب البیت مردانہ بود

''خانہ کعبہ کی زیارت کرنا حج ہے اس میں خانہ کعبہ کی مالک کی نیت کرنا حج مردانہ ہے''

حج وقربانی مراتبِ فنائیت

یہ روح ہوئی حج کی اور قربانی کی کہ فنائے اتم حج کی روح ہے اور فنائے تام قربانی کی۔ نفسِ فنا میں دونوں شریک ہیں مگر چونکہ قربانی میں عقل کے خلاف کم ہے۔ فقط اتعابِ نفس ہے(۳)۔ اس لئے فنا تو وہ بھی ہے مگر حج کے برابر نہیں ہے اور دونوں میں تام اور اتم (۴) کا تفاوت ہے۔ تو یہ ان دونوں کی روح ہوئی یہی وعدہ

(۱) ورنہ صرف آنے جانے کا تو یہ حال ہے (۲) ارادہ (۳) نفس پر گرانی (۴) کامل اور اکمل کا فرق ہے۔

تھا میرا کہ میں ان دونوں کی روح کا بیان کروں گا' چنانچہ الحمدللہ وعدہ پورا ہو گیا۔

زیارتِ مدینہ (علی صاحبها الف الف تحية وسلام[1])

اس کے بعد ایک اور طاعت ہے جس میں خشک مزاج والوں نے اختلاف کیا ہے اور وہ زیارتِ مدینہ ہے۔ اس کی روح کیا ہے؟ اس کی روح یہ ہے کہ فنا کے مرتبے تک بھی جو کہ روح ہے حج کی مع قربانی کے پہنچ کر یوں سمجھ لے کہ سلوک و وصول میں تفرد (۲) کافی نہیں۔ اب بھی شیخ کی حاجت ہے کیونکہ بغیر اس کے فناء مثمر (۳) نہیں تو شیخ الشیوخ (۴) کی زیارت سے اس وابستگی کو تازہ کرلو جو شیخ کے ساتھ حاصل ہے تاکہ فنا کا ثمرہ ظاہر ہو۔ واقعی زیارتِ مدینہ بڑی برکت کا عمل ہے۔ جو اہلِ قلب ہیں ان کو بڑے بڑے ثمرات عطا ہوتے ہیں اگر کوئی حج سے پہلے زیارت کرلے تو استعداد ان ثمرات کے حصول کی پیدا ہوتی ہے جو حج یا بعنوان دیگر فنا پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر بعد میں زیارت کرے تو ان ثمرات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ عجیب جگہ ہے وہاں اللہ کے بندے بڑی بڑی دولتوں سے مشرف ہوئے ہیں۔

سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ

حضرت سید احمد رفاعیؒ جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ نے روضہ مقدسہ پر جا کر بآواز بلند عرض کیا السلام علیك یا جدّی (دادا صاحب! السلام علیک) جواب آیا وعلیك السلام یا ولدی (بیٹا! وعلیک السلام) خلاف توقع جواب ملا تو وجد کرنے لگے اور عرض کرنے لگے ؎

(۱) آپ ﷺ پر ہزاروں ہزار درود وسلام نازل ہو (۲) طریقِ سلوک تنہا طے نہیں ہوتے بلکہ شیخ کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے (۳) نتیجہ خیز (۴) تمام مشائخ کے شیخ یعنی رسول اللہ ﷺ۔

فی حالة البعد روحی کنت ارسلها

تقبل الارض عنی وهی نائبتی

''یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا کرتا تھا''

فهذه دولة الاشباح قد حضرت

فامدد یمینك کی تخطے بها شفتی

''یعنی اب جسم کی باری آئی ہے اب تو ذرا ہاتھ بڑھا دیجئے تا کہ میں اس کو بوسہ دوں''

دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا جیسے کالشمس فی نصف النهار ''دوپہر میں سورج'' جس کی نورانیت نے آفتاب کو بھی ماند کر دیا تھا۔

علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے تو نوے ہزار آدمی مشاہدہ کر رہے تھے۔ ایک ہل چل پڑ گئی پھر نہایت شوق وادب سے ہاتھ چوما۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کو احمد رفاعی پر رشک بھی ہوا؟ تو فرماتے ہیں ہم تو ہم اس وقت تو حاملانِ عرش(۱) رشک کر رہے تھے۔ اللہ اللہ یہ دولت' جب آپ کو افاقہ ہوا تو دیکھا کہ لوگوں میں بڑی عزت ہو رہی ہے۔ آپ نے نفس کا معالجہ کیا۔

صاحبو! جب ایسے ایسوں کو علاج کی ضرورت ہے۔ تو ہم کیسے مخدوم ہو سکتے ہیں ہمیں تو بدرجۂ اولیٰ علاج کی حاجت ہے۔ آپ نے معالجہ یہ کیا کہ مسجد نبوی ﷺ کی دہلیز پر لیٹ گئے اور فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے گزرو تا کہ ذلت ہو۔ لوگوں نے پھاندنا شروع کیا۔

ایک بزرگ تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ نہیں پھاندے؟ فرمایا اگر میں ایسا کرتا تو مجھے آتشِ قہر(۲) جلا ڈالتی۔ وہ اندھے تھے جو پھاندے۔ تو اللہ کے

(۱) عرش کو اٹھانے والے فرشتے (۲) اللہ کے غضب کی آگ۔

بندوں کو وہاں یہ یہ دولتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اتنی بڑی دولت کو بعض خشک مزاج بلا دلیل کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔

روحِ انفاقِ مالی

بہرحال اس وقت میرا اصل مقصود بیان کرنا تھا روح حج وقربانی کو سو بیان کر چکا کہ ان کی روح فنا ہے۔ اب انفاق مالی کی روح کا بیان باقی رہا سو وہ انفاق سے بقا ہے جو فنا کا ثمرہ بھی ہے اور اس مناسبت سے بھی دونوں کا بیان کرنا جمع کرنا مستحسن ہوا اور حقیقت بقاء کی یہ ہے کہ اپنے ارادوں کے اندر پھر ایک حالت فاعلیت کی پیدا ہوگئی۔ علوم واعمال کا پھر عود ہوگیا وہ پھر تازہ ہوگئے وہ حرکتِ ارادیہ پھر کام دینے لگی۔ مگر جیسا قبل فنا دیتی تھیں ویسا نہیں، مثلاً پہلے جو حرکت ہوتی تھی وہ اپنے ارادے اور اپنے نفس کے اتباع سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد مرتبۂ فنا میں وہ منقطع ہوگئی تھی۔ اب مرتبۂ بقاء میں پھر ہونے لگی لیکن اب ارادۂ عبد بالکل ارادۂ حق کے تابع ہے یعنی اراداتِ تشریعیہ اب اس کے لئے امورِ طبعیہ بن گئے ہیں (۱) اور اس کے ساتھ افاقہ بھی ہے کسی سے راضی ہے کسی پر غصہ بھی ہو رہا ہے، انتظام بھی کرتا ہے، روپیہ پیسہ بھی لیتا ہے غرض سلطنت تک کرتا ہے۔ اور اس وقت یہ حالت تھی ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

''یعنی احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام؟ دیوانہ ہو سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو'' اور اب وہ حالت ہے ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را

خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ عام کی مصلحت کے لئے کسی شخص کو خاص کر لیتے ہیں تو اب یہ حالت ہے کہ ایک لاکھ روپیہ لیتا ہے اور اس کا انتظام کرتا ہے

(۱) شرعی احکام پر عمل کرنا اس کے لئے ایسا آسان ہوگیا جیسے طبعی تقاضوں پر عمل کرنا آسان ہوتا ہے۔

مگر اس طور پر کہ نفس کا کہیں شائبہ نہیں ہوتا تو اس مرتبہ میں پہنچ کر اس کی وہ حالت ہوتی ہے جو انبیاء کی ہے کہ صاحبِ مال صاحبِ جاہ(۱) سب ہی کچھ ہوئے۔ اور اب وہ کام کرتا ہے جو کرنا چاہئیے پورا تخلق باخلاق اللہ (۲) کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے پہلے فنا کے مرتبے میں تو وہ افعال اس کے نہ رہے تھے اور اب بقاء کے مرتبے میں تخلق باخلاق الالٰھیة باختیار العبد(۳) حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کے اخلاق تصرف انتظام غصہ کی جگہ غصہ رحم کی جگہ رحم جو صحابہ کی شان تھی کہ ﴿اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ﴾(۴) "یعنی ع وہ کافروں پر سخت تھے آپس میں تھے سب رحمدل۔

اس سے اس کے افعال اسی کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں فنا میں یہ بات نہ تھی وہاں مجبوری اور حیرانی غالب تھی اور بقا میں تمام افعال منضبط ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کو اس کے مرتبہ کا پتہ بھی نہیں چلتا مگر مرتبہ اس کا ایسا عظیم ہے کہ ؎

برکف جام شریعت برکفی سندان عشق ہر ہوسنا کے نداند جام وسندان باختن

"یعنی ادھر شریعت کا خیال اُدھر عشق کا خیال شریعت اور عشق دونوں کے مقتضٰی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے"

خلقِ جُود

اور یہ حالت انبیاءِ و اولیاء کاملین کی ہوتی ہے کہ وہ اخلاقِ الٰہیہ کے ساتھ متصف ہوجاتے ہیں اور اخلاقِ الٰہیہ میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچانا' اور نفع عام ہے ظاہری بھی باطنی بھی اسی واسطے بیضاوی نے ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاھُمْ یُنْفِقُوْن﴾ "اور جو کچھ دیا ہے ہم نے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں' کی تفسیر میں

(۱) مال دار بھی ہوئے اور صاحب اقتدار بھی ہوئے (۲) عادت بنانا اللہ کے اخلاق کے ساتھ (۳) اخلاق الٰہیہ کا تخلق بندہ کے اختیار سے ہونا (۴) سورۃ الفتح:۲۹۔

لکھا ہے کہ(ومن انوار المعرفة یفیضون) ''انوارِ معرفت میں سے فیض پہنچاتے ہیں'' چنانچہ اگر ان کو مال ملا تو وہ اس میں سے بھی دیتے ہیں اگر ان کو علم ملا تو وہ اس میں سے بھی دیتے ہیں اگر ان کو انوار ملے تو وہ ان میں سے بھی دیتے ہیں۔

اور اس خلقِ خاص کو جُود کہتے ہیں اور یہ سب افراد نفع کو عام ہے اس میں زکوٰۃ بھی آ گئی۔ پس وہ بھی جُود کی ایک قسم ہے۔ سو اس میں زکوٰۃ کی روح بھی مذکور ہوگئی کہ بقاء ہے بلکہ تمام انفاقات مالیہ کی روح آ گئی صدقۂ فطر کی بھی' زکوٰۃ کی بھی' اور آیت میں جو ہے﴿ فَكُلُوْا مِنْهَا﴾ ''اس میں سے تم بھی کھاؤ'' اس میں یہ سب داخل ہوگیا۔

باقی اگر کوئی کہے کہ آیت میں تو صرف قربانی کے گوشت کے متعلق انفاق کا حکم ہے اس میں دوسرے انفاقات کیسے آ گئے تو بات یہ ہے کہ خصوصیت اس کی مقصود مقام نہیں' بلکہ محض اغنائے (۱) مساکین مقصود ہے اسی لئے سب اسی کے حکم میں آ گئے بلکہ یہ دلالت ایک اعتبار سے صریح دلالت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ مستحب ہے اور زکوٰۃ فرض اور صدقۂ فطر واجب' جب یہ مستحب مہتم بالشان ہے تو وہ فرض و واجب تو بدرجۂ اولی مہتم بالشان (۱) ہوگا۔ تو مستحب کے ذکر میں واجب و فرض کا ذکر بھی آ گیا پس حاصل ان سب کا جود ہے اور اس کی روح بقاء ہے اور اس سے قبل فنا تھا جو روح تھی حج و قربانی کی اور فنا کے قبل مشاہدہ تھا جس کے اثر سے فنا ہوا اور یہ روح تھی اعمال عید کی اور مشاہدہ سے قبل مجاہدہ تھا جو روح تھی اعمالِ صوم کی سبحان اللہ! جس ترتیب سے ان اعمال کا بیان ہوا یہی ترتیب سلوک کی بھی ہے کہ سب سے پہلے مجاہدہ اور اس کے بعد مشاہدہ پھر اس کے غلبہ سے فنا اور اس کے بعد بقاء بحمد للہ وہی ترتیب یہاں بھی رہی' اگر کوئی کہے کہ جب سلوک کی یہ ترتیب ہے تو سب احکام اسی ترتیب سے واجب ہونا چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہے' چنانچہ بعضوں

(۱) غنی کرنا (۲) بڑی شان والا۔

پر حج فرض نہیں اور زکوۃ فرض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سب کو مخلطاً اس لئے مشروع کیا ہے کہ ان سب میں باہم ارتباط و مناسبت بھی ہے پس سب کو شروع کردینے سے جس وقت ختم پر پہنچیں گے دفعۃً کمال حاصل ہوجائے گا۔ جیسا کہ کتبِ درسیہ میں کہ مختلف فنون کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہا جس وقت ہر فن کی کتاب کا اخیر ورق ختم ہوا بس دفعۃً محدث بھی ہوگئے اور مفسر بھی بن گئے۔ سو یہی طرز یہاں رکھا ہے۔ اب وہ شبہ بھی رفع ہوگیا۔ الحمدللہ حسبِ توفیقِ حق سبحانہ وتعالیٰ سب کا بیان ہوگیا۔

ترجمۂ آیات

اب ترجمہ ان آیات کا کئے دیتا ہوں تا کہ معلوم ہوجائے کہ جن طاعات کی نسبت میں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ان آیات کی مدلول ہیں وہ تینوں اس میں مذکور ہیں یا نہیں۔

پس فرماتے ہیں: ﴿وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا﴾ ''اس وقت کو یاد کیجئے اے محمد ﷺ جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کردی'' اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ سے پہلے وَاَمَرْنَا مقدر ہے۔ یعنی ''ہم نے یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا''۔ سبحان اللہ! پہلے ہی سے انسداد کردیا کہ کہیں کوئی اس کی تعظیم سے شبہ معبودیت کا نہ کرلے۔ آخر آریوں کو شبہ ہوا ہی جس پر اعتراض چلادیا۔ ابھی جگہ ہی بتلائی تھی کہ فرمادیا کہ ﴿ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا﴾ سبحان اللہ کیا انتظام ہے۔ اس فرمانے سے معلوم ہوگیا کہ یہ بیت(۱) خود مقصود نہیں بلکہ اس وجہ سے اس کا قصد کیا جاتا ہے کہ یہ مقام ہے اس کی تعظیم کا۔

﴿وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ﴾ اور میرے بیت کو

(۱) گھر۔

پاک رکھنا اقذار (گندگی) ظاہری سے کہ خس و خاشاک و نجاسات ہیں اور اقذار باطنی سے بھی کہ اصنام (۱) ہیں جس سے قریش نے ملوث (۲) کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو بتوں سے بھر دیا تھا سو اس کی وہیں سے جڑ کاٹ دی۔

﴿وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ﴾ ''اور ہم نے حکم دیا ابراہیمؑ کو کہ اعلان کر دیجئے لوگوں میں حج کا آئیں گے لوگ پیادہ ہو کر اور دبلی اونٹنیوں پر کہ آئی ہوں گی وہ بڑی دور دراز سے'' ابراہیمؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ میری آواز اتنی کہاں جو میں تمام دنیا کے لوگوں میں ندا دے سکوں۔ ارشاد ہوا تم پکارو آواز کا پہنچا دینا ہمارا کام ہے۔

چنانچہ انہوں نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکار دیا کہ اے لوگو چلو اللہ کے گھر کا حج تم پر فرض ہے تو جس جس کی تقدیر میں حج لکھا جا چکا تھا سب اَرحامِ امہات اور اصلاب آباء (۳) میں سے لبیك لبیك بول اُٹھے اور اپنے اپنے زمانہ میں حج ادا کیا اور کریں گے اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سالکو! ذکر و شغل سے ثمرات کے منتظر نہ رہو، یہ تو ہمارا کام ہے تم اپنے کام میں لگے رہو۔

دیکھو ابراہیمؑ کے پاس کوئی ایسی تدبیر نہ تھی کہ وہ اپنی آواز کو اتنی دور پہنچاتے مگر ہم نے پہنچا دیا۔ اسی طرح تمہیں ثمرات کی کیا فکر تم اپنے کام میں لگے رہو۔

ع کار خود کن کار بیگانہ مکن

''یعنی اپنے کام میں لگے رہو ثمرات کی فکر میں نہ پڑو'' چنانچہ ابراہیمؑ نے پکارا۔

حج میں تجارت کا درجہ

آگے بتلاتے ہیں کہ کیا غایت ہے اس پکارنے کی ﴿لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِیْمَةِ

(۱) بت ہیں (۲) آلودہ کیا تھا (۳) جو ماؤں کے رحموں باپ کی پشتوں میں تھے۔

الْاَنْعَامِ ﴾ تا کہ حاضر ہوں اپنے منافع کے پاس یہ عام ہے خواہ منافع دینی ہوں یا دنیوی اور دینی منافع میں تو بہت بڑا نفع یہ ہے کہ وہاں طاعت کرنے کی کتنی بڑی فضیلت ہے اور دنیوی نفع یہ کہ بہت سی آبادی ہوگی اس میں تجارت کریں گے' زراعت کریں گے اور بہت سے فائدے اُٹھائیں گے۔ مگر فرق اور مقام کی تجارت میں اور یہاں کی تجارت میں یہ ہے کہ یہ للاعانة علی الدین (۱) ہونا چاہئے یعنی حج میں تجارت کا مال ساتھ لے جانے میں نیت یہ ہو کہ اگر مال ہوگا اطمینان رہے گا' ورنہ پریشانی ہوگی۔ اور بھلا حج تو عبادت ہے اس میں دنیا کیا مقصود ہوتی جہاں کسبِ دنیا کا بھی ذکر ہے وہاں بھی اس کو مقصود نہیں ہونے دیا اس کے ساتھ ہی دین کے مقصود بنانے کا حکم دیا چنانچہ جمعہ کے باب میں جہاں فرمادیا۔ ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ (۲) ''پھر جب نماز جمعہ پوری ہو چکے تو اس وقت اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو' اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ ''خوب کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو''

غرض دنیائے محض کی کہیں بھی اجازت نہیں اور جب اسلام کا یہ حاصل ہے کہ اس میں دنیا محض ہے ہی نہیں تو مسلمان کو یہ نہ کہنا چاہئے کہ ہم دنیادار ہیں اصل دنیا دار تو صرف کافر ہی ہیں تم شرائع کا التزام کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو؟ جب تم شرائع کا التزام (۳) کرتے ہو تو پھر دیندار ہو دنیادار کہاں سے آئے؟ اب اس شعر کے معنی بھی سمجھ میں آگئے ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند روز وشب درزق زق ودر بق بق اند

''یعنی صرف کفار اہل دنیا ہیں رات دن زق زق وبق بق میں گرفتار ہیں''

(۱) دین کی اعانت کی وجہ سے ہو (۲) سورۃ الجمعۃ: ۱۰ (۳) احکام شریعت کی پابندی۔

اہل دنیا چہ کہین وچہ مہین لعنت اللّٰہ علیہم اجمعین

''یعنی دنیادار خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو''

ظاہر میں سارے دنیا داروں کو کافر مطلق کہہ دیا جس سے شبہ تکفیر مسلم کا بھی ہوتا ہے جو مشغول بالدنیا ہے۔ سو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اس کی توجیہہ یہ فرمائی تھی کہ اہل دنیا خبر مقدم ہے اور کافران مطلق مبتدائے مؤخر۔ مطلب یہ کہ کفار صرف اہل دنیا ہی ہوتے ہیں مسلمان دنیادار ہی نہیں ہوتے سو یہ توجیہہ نہایت لطیف ہے یعنی دنیائے محض کے طلب کرنے والے جن کو دین کی بالکل پرواہ نہیں وہ کافر ہی لوگ ہیں اور جو شرائع کا التزام کرتے ہیں وہ اگرچہ دنیا بھی حاصل کریں مگر دنیادار نہیں بلکہ دیندار ہیں' اگرچہ ضعیف درجہ کے سہی تو کسی مسلمان کو اپنے کو دنیادار نہ کہنا چاہئیے یوں کہیئے ہم مسلمان ہیں' خطاوار ہیں' انکسار و تواضع کے لئے یہی کافی ہے۔ دنیادار کیوں کہو؟

یہ تو ایسی تواضع ہوئی کہ ایک مرتبہ ریل میں ایک صاحب سوار تھے جو جنٹ تھے ان کے ساتھ اور بھی دو چار مسخرے وکیل وغیرہ تھے۔ یہ سب کے سب مل کے ایک اجنبی مسافر کو بنا رہے تھے۔ اتفاق سے جسے بنا رہے تھے وہ بھی کہیں منصف تھا مگر ہندو تھا۔ جب کھانا کھانے بیٹھے تو جنٹ صاحب کہنے لگے کہ آپ بھی گوہ موت کھالیجئے۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ ہائیں! کھانے کو گوہ موت کہتے ہو' کہنے لگے اپنے کھانے کو کھانا کہنا یہ تو تکبر ہے۔

اور ایک صاحب کا نام نتھو تھا کسی شخص نے پوچھا' آپ کا نام؟ تو آپ تواضع سے کہتے ہیں' اخ تھو کُتّے کا گوہ' میاں نتھو' تو یہ تواضع تو ایسی ہی ہوئی آج تواضع سے دنیادار کہا ہے' کل اور تواضع بڑھے گی تو کافر کہو گے۔ اچھی تواضع ہوئی

غرض تم سب دیندار ہو کوئی دنیادار نہیں مسلمان تو دنیا میں اگر چہ کتنا ہی توغل (۱) ہو مگر اس پر غلبہ دنیا کا نہیں ہوسکتا۔ غرض جب جمعہ میں ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴾ ''کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو'' فرمادیا تو حج میں کیسے نہ ہوگا۔

اور اس تجارت فی الحج کا درجہ مقصود بالعرض ہونے میں ایسا ہے جیسے حالِ روزہ میں غسل کرنے کا' کیا اچھا فیصلہ ہے کہ اگر غسل جزع فزع کی وجہ سے ہے تو مکروہ ہے اور اگر ازالۂ جزع فزع کے لئے ہے کہ اعانت علی الصوم ہے تو جائز ہے چنانچہ ابوداؤد میں روایت ہے کہ'' آپ نے روزہ میں غسل کیا'' تو جیسے غسل روزہ میں ہے ویسے تجارت حج میں ہے کہ اگر حج اس لئے ہے کہ تجارت کریں گے تو مکروہ و ناجائز ہے اور اگر تجارت اس لئے ہے کہ حج اچھی طرح اطمینان سے کرسکیں گے تو جائز ہے۔

بقیہ ترجمہ آیات

آگے فرماتے ہیں: ﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِي اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ ''اور ان چند متعین دنوں میں اللہ کا ذکر کریں یعنی ذبح کریں اور اللہ کا نام لیں' اور یہ ذبح خواہ استحباباً ہو یا وجوباً پھر فرماتے ہیں۔ ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴾ پھر کھاؤ ان میں سے یہاں سے امت محمد یہ ﷺ کو خطاب ہے اب تک ابراہیمؑ کو خطاب تھا۔ مگر چونکہ وہ بھی بلا انکار تھا۔ اس لئے ہمیں بھی تھا۔ یعنی ان میں سے تم بھی کھاؤ ﴿وَاَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ اور'' مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ''۔

یہ مطلب نہیں کہ اغنیاء کو مت کھلاؤ' نہیں اغنیاء کو بھی کھلاؤ' چنانچہ کلوا سے یہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اگر کسی غنی نے قربانی کی تو وہ بھی کلوا میں داخل ہے تو

(۱) کتنا ہی غلو کرے۔

غنی کو بھی کھانا جائز ہوا تو اس کو کھلانا بھی جائز ہوا بلکہ چاہے سب کھالو کسی کو بھی مت کھلاؤ نہ فقیر کو نہ غنی کو مگر مستحب وہی ہے۔

﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ پھر اپنا میل کچیل دور کریں یعنی بال منڈائیں ناخن کٹائیں، نہائیں دھوئیں، بدن کو صاف کریں ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ اور چاہئے کہ اپنی منتوں کو پورا کریں، نذور سے مراد مطلق واجبات کہ وجوب میں مثل منذور کے ہیں: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ اس کو عتیق اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معتق و محفوظ (۱) ہے جبابرہ سے حق تعالیٰ نے اسے آزاد رکھا ہے۔ یعنی اور چاہئے کہ بیتِ عتیق کا طواف کریں۔ یہ ترجمہ ہوا ان آیات کا اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس میں تینوں عمل مذکور ہیں حج بھی قربانی بھی انفاق مالی بھی مگر یہ آیت ملی ہے ذرا ڈھونڈنے سے۔ الحمدللہ جو کچھ میرا مقصود تھا وہ بیان ہو چکا۔

اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم نکتوں ہی میں نہ رہیں عمل بھی کریں اور جن پر حج فرض ہے وہ حج بھی کریں اور خرچ ہو تو مدینے بھی جائیں۔

نہایت اہم مسئلہ

اور ایک مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو لوگ مکہ اور مدینہ دونوں کے خرچ کو ملا کر اتنے خرچ ہونے پر حج فرض سمجھتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں جس کے پاس مکہ تک کا خرچ ہے اس پر حج فرض ہے وہ حج کو جائیں البتہ جن پر حج فرض نہیں ہے وہ آجکل نہ جائیں، کیونکہ جب فرض نہیں تو کیا ضرورت ہے کہ خدشہ میں پڑو اگرچہ یہ خدشہ ضعیف ہی ہے اس کے علاوہ آجکل کرایہ بھی گراں ہے اور گنجائش ہو تو مدینہ کو بھی جائیں کہ بڑی فضیلت ہے۔

(۱) آزاد اور محفوظ ہے ظالموں سے۔

زہے سعادت کہ آں بندۂ کہ کرد نزول گہے بہ بیت خدا گہے بہ بیت رسول ﷺ

''بڑی خوش نصیبی اس بندہ کی کہ اس نے کبھی خانہ کعبہ کی زیارت کی اور کبھی مدینہ کی''

فضیلتِ خاص

ہر چند کہ قربانی کی فضیلت کا بیان ظاہراً قبل از وقت ہے مگر ایک معنی کر قبل از وقت نہیں اس لئے کہ جس کو زیادہ فضیلت حاصل کرنا ہو وہ پہلے سے قربانی کے جانور کو خرید لے اور انہیں کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرلے۔ سو اگر کسی نے یہ بیان سن کر اس وقت جانور قربانی کا خرید لیا تو اس اعتبار سے خاص یہ بیان قبل از وقت نہ ہوا وقت پر ہی ہوا۔

اور پہلے سے خریدنے میں اس لئے بھی فضیلت ہے کہ پہلے سے خرید کر اس کو جتنا کھلائے پلائے گا اس جانور سے انس ہوگا اور ارشاد ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾(۱) ''یعنی تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کرسکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کروگے'' تو جب محبوب کو ذبح کرے گا تو یہ فضیلتِ خاص بھی اس کو حاصل ہوگی۔

اہتمام عبادت اور دعاء

باقی رہی زکوٰۃ وصدقہ واجبہ سو گو اس کا کوئی مہینہ مقرر نہیں مثلاً زکوٰۃ ہے کہ جب حولانِ حول (۲) ہوجائے جب دیدینا چاہئیے۔ تو اس شخص کے لئے یہ بیان شاید قبل از وقت سمجھا جاوے لیکن متحمل اور ممکن تو ہے کہ کسی کا سال شوال یا ذیقعدہ

(۱) سورۃ ال عمران: ۹۲ (۲) سال کا گزرنا۔

ہی میں پورا ہوتا ہو تو اس کے اعتبار سے بھی یہ مضمون احتمالاً مناسب ہے اور جن عبادات کی ارواح رمضان میں مذکور ہوئی تھیں ان کا بھی اہتمام کرنا چاہئیے اور اہتمام کے ساتھ سب سے بڑی ضرورت حق تعالیٰ سے دعا کرنے کی ہے۔ اب دعا کیجئے کہ ہمیں فہم اور عمل کی توفیق عطا فرماوے۔(۱)

تمت

(۱) آمین یارب العالمین۔ خلیل احمد تھانوی

رُوح العج والثج

(حج وقربانی کی روح)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	خطبۂ ماثورہ	۳
۲	تمہید	۴
۳	اشہرِ حج	۴
۴	اقسامِ عبادت	۶
۵	حج وقربانی میں مناسبت	۶
۶	اختیارِ اسباب کی فرصت	۷
۷	مال وبدن سے مرکب عبادت	۱۰
۸	پیدل حج	۱۱
۹	خاکسارانِ جہاں	۱۲
۱۰	ایک صاحب حال بزرگ	۱۳
۱۱	عاشق اور غیر عاشق کے حج میں فرق	۱۴
۱۲	سمندر وخشکی پر حضرت عمرؓ کی حکومت	۱۶

۱۳	حاجیوں کی اقسام	۱۷
۱۴	کیا قربانی مرکب عبادت ہے؟	۱۹
۱۵	احترامِ میت	۲۰
۱۶	تدفین کی خوبی	۲۱
۱۷	ہندوؤں میں جلانے کی رسم کی ابتداء	۲۲
۱۸	قبر میں سوال و جواب کی تحقیق	۲۳
۱۹	قربانی میں بدنی مشقت	۲۴
۲۰	سنگدلی کا شُبہ	۲۶
۲۱	قوتِ عدل	۲۶
۲۲	اللہ کی نیابت	۲۸
۲۳	ہندوؤں کی رحم دلی کا حال	۲۸
۲۴	اصلِ قربانی	۳۰
۲۵	فرزند کی قربانی	۳۰
۲۶	اہلِ ظاہر کا غیر محقق جواب	۳۱
۲۷	حقیقی جواب	۳۲
۲۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی برکت	۳۳
۲۹	روحِ حج وقربانی	۳۴

۳۰	حج وقربانی میں فنائیت	۳۶
۳۱	ایک شبہ کا جواب	۳۶
۳۲	فنائیت کی حقیقت	۳۷
۳۳	حج میں شانِ فنائیت	۳۸
۳۴	عاشقانہ افعال	۴۰
۳۵	زبان کا مسئلہ	۴۲
۳۶	کیفیت آغازِ سفر	۴۴
۳۷	صورتِ عشاق	۴۴
۳۸	اہل اللہ کی سی شکل بنانے کا فائدہ	۴۵
۳۹	بدوضع کا اثر	۴۶
۴۰	عورت کا احرام وتلبیہ	۴۷
۴۱	احکامِ حرم	۴۸
۴۲	حج کی طرف کشش	۴۸
۴۳	شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی کرامت	۵۰
۴۴	منٰی کی حاضری	۵۰
۴۵	وقوف عرفہ	۵۰
۴۶	مزدلفہ روانگی	۵۱

۴۷	منٰی واپسی	۵۲
۴۸	طوافِ زیارت	۵۲
۴۹	فنائے اتم	۵۲
۵۰	مقامِ عبرت	۵۴
۵۱	حج وقربانی مراتبِ فنائیت	۵۴
۵۲	زیارتِ مدینہ (علی صاحبها الف الف تحية وسلام)	۵۵
۵۳	سید احمد رفاعیؒ کا واقعہ	۵۵
۵۴	روح انفاق مالی	۵۷
۵۵	خلقِ جُود	۵۸
۵۶	ترجمۂ آیات	۶۰
۵۷	حج میں تجارت کا درجہ	۶۱
۵۸	بقیہ ترجمہ آیات	۶۴
۵۹	نہایت اہم مسئلہ	۶۵
۶۰	فضیلتِ خاص	۶۶
۶۱	اہتمام عبادت اور دعاء	۶۶

ہر عیش و طرب میں ہے لبھاؤ کتنا
ہر عزت و دولت کا ہے چاؤ کتنا

مسلم ہیں اگر ہم تو بتائیں للہ
اللہ سے ہے ہم کو لگاؤ کتنا

مخلوق ہیں، خالق سے مگر غافل ہیں
کھاتے تو ہیں رازق سے مگر غافل ہیں

کہنے کو تو سیکھے ہیں ہزاروں ہی علم
ہر علم کے فائق سے مگر غافل ہیں

مفتی جمیل احمد تھانوی نوراللہ مرقدہ